

## اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کا بدلہ

﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا  
وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ [النساء: ۱۳]

”جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کرے گا اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی (اور جن کی شادابی کبھی متغیر ہونے والی نہیں)، وہ (سرور و راحت کی) اس حالت میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے جو ان کو حاصل ہوگی۔“

## مذہب اور سائنس کی حقیقت

انسانی ذہن میں کبھی یہ بات تھی کہ سائنس اور مذہب کے مقاصد آپس میں متضاد ہیں لیکن جب عملی زندگی میں سائنس کے آثار ظاہر ہوئے اور مذہب کے سلسلے میں بھی لوگ واقعیت پسندی کی راہ پر آئے تو دونوں موضوعات سے متعلق ارباب فکر نے یہ محسوس کیا کہ مذہب اور سائنس کے مقاصد میں باہمی تضاد کی بات بے بنیاد ہے کیونکہ سائنس کا بنیادی مقصد یہ بتایا جاتا ہے کہ دنیا میں انسان کو باعزت و خوش گوار زندگی حاصل ہو اور انسانوں کی نا تجربہ کاری سے انھیں جو خطرات لاحق ہو سکتے ہیں ان سے وہ محفوظ رہیں۔ زندگی کے جن میدانوں میں سائنس کی تگ و دو کا سلسلہ جاری ہے ان میں ہم نتیجے کے طور پر انسانی مفاد کے پہلو کو محسوس کر سکتے ہیں، خواہ اس کا تعلق کسی فرد سے ہو یا پورے معاشرے سے۔

اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی دعوت اور مذاہب کی تعلیمات پر نظر ڈالی جائے تو واضح ہوتا ہے کہ پرسکون و خوش گوار زندگی کو مذاہب کی تعلیمات میں بھی اہمیت دی گئی ہے بلکہ خوش گوار ابدی زندگی کو انسان کی سب سے بڑی کامیابی قرار دیا گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مذہب و سائنس کے مقاصد میں اتحاد یا قربت کے باوجود دونوں کے مابین تضاد و تعارض کی بات کیوں اور کہاں سے مشہور ہوئی؟

اس سوال کے جواب کے لیے دینی تاریخ کا تتبع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کے مابین تضاد کی بات ان لوگوں نے پھیلائی ہے جنہیں مذہب سے دشمنی تھی۔ سائنس کے تجربات و تحقیقات سے جب بہت سی مذہبی حقیقتوں کی صداقت عیاں ہونے لگی اور اس طرح تجربی دور میں بھی مذہب کی بالادستی کا سکہ بیٹھنے لگا تو الحاد پرستوں کو اس سے سخت مایوسی ہوئی اور انھوں نے مذہب پر حملہ کرتے ہوئے یہ مشہور کرنا چاہا کہ اس کے نظریات تحقیق و تجربہ کی میزان پر پورے نہیں اتر سکتے، اس کے عروج و ترقی کا دور اب ختم ہو چکا ہے۔ آج کا انسان ایسی کسی بات کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں جس کا وہ مشاہدہ و تجربہ نہ کر سکے۔ اہل الحاد مذہب کے خلاف چونکہ کوئی علمی یا تجربی دلیل نہیں پیش کر سکے، اس لیے اس بات کا سہارا لیا کہ مذہب کو بدنام کیا جائے اور لوگوں کو اس کے سائے تلے آنے سے محروم رکھا جائے۔ (ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كُنْ لَكَ بَيْنَكَ وَبَيْنَ قَوْمِكَ

بانی مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رٹہ  
سماہلست مولانا ابوبکر صدیق السلفی

05 ربیع الاول 1434ھ جمعۃ المبارک 18 تا 24 جنوری 2013ء

مسک احمد ریشکا داعی و ترجمان  
مفتی اعظم  
الاعنصل

یکے از مطبوعات دارالدعوة السلفية

شماره 03 جلد 64

### مجلس ادارت

- شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی
- مولانا محمد اسحاق بھٹی
- مولانا ارشاد الحق اثری
- ملک عصمت اللہ قلوی
- حافظ حماد شاہر
- حماد الحق نعیم

### مدیر مسئول

- حافظ احمد شاہر

### مینجر

- محمد سلیم چنیوٹی

### کمپوزنگ

- رضا اللہ ساجد

0333-4611619

0344-4656461

☆ جواہر پارے \_\_\_\_\_ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کا بدلہ

☆ کلمہ طیبہ \_\_\_\_\_ مذہب اور سائنس کی حقیقت

☆ اداریہ \_\_\_\_\_ (ڈاکٹر منتظری حسن ازہری)

☆ درس قرآن \_\_\_\_\_ تفسیر سورہ یس ..... (۵۶)

☆ درس حدیث \_\_\_\_\_ غنیۃ القاری بترجمة ثلاثیات البخاری (۶) (تسبیح: حافظ محمد اشرف سعید رحمہ)

☆ بدعات و رسوم \_\_\_\_\_ عید میلاد النبی ﷺ: حقائق کے آئینے میں (ابو حادہ عبد اللہ طاہر و ابو احمد دقاس زہیر)

☆ نقد و نظر \_\_\_\_\_ فضائل اُبی حنیفہ و اخبارہ و مناقبہ (۳) (مولانا ارشاد الحق اثری)

☆ تذکرہ علمائے اہل حدیث \_\_\_\_\_ مولانا عبد الحق محدث ملتان (۳) آخری (ریاض احمد عاتق اثری)

☆ افکار معاصرین \_\_\_\_\_ دنیا ہے تری منتظر روزِ مکافات (اور یا مقبول جان)

☆ شعر و ادب \_\_\_\_\_ حدیث مرد و دُعا (راجح عرفانی)

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور  
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال سنگھ برائچ لاہور  
فون نمبر : 042-3735 4406  
فیکس نمبر : 042-37229802  
رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

فی ہرچہ : 12/- روپے  
سالانہ : 500/- روپے  
بیرونی ممالک سے : 200/- ریال  
60/- ڈالر امریکی

E-Mail: al.aitisam@gmail.com

پرنٹر: پرنٹ یار ڈپرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاہر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

## آہ کو چاہیے.....

صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کی فتوحات کے بعد صلیب مسلسل تلملتا رہا تا آنکہ اس نے لارنس آف عربیہ نامی کردارے کے ذریعے سلطنت عثمانیہ کی شکست و ریخت کر کے مسلم امہ کے حصے بخرے بایں انداز کر دیے کہ مسلم امہ کو اس نے ترکی خلافت سے برسرِ پیکار کر کے خلافت کی وحدت کو چھوٹی چھوٹی سلطنتوں اور مملکتوں میں تقسیم کر دیا جس کے نتیجے میں امت قبائلی، لسانی اور تہذیبی بنیادوں پر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور مختلف قبائل اور خاندانوں کے سربراہوں کو زمین کے چھوٹے چھوٹے قطععات کی حکمرانی دے کر مسرور و مطمئن بلکہ محصور کر دیا اور معاشیات میں مجموعی طور پر مسلمانوں کو سودی نظام کا سہا تھ نہ آنے والی گجھلک میں الجھا دیا اور دوسری طرف طاغوت (جس کا سرغنہ صلیب تھا) نے جمہوری نظام کی سرخ بتی کے پیچھے ترقی پذیر ممالک کو لگا دیا۔ ساتھ ہی کاغذی کرنسی کو رواج دے کر سونے اور چاندی کے سکوں کو بے وقعت کر دیا۔

سالہا سال کی تحقیق و مطالعہ کے بعد طے شدہ حکمت عملی کے تحت مختلف خاندانوں، قبیلوں کے سرداروں کو سریر آرائے سلطنت کر کے ان کے بشریت کے فطری تقاضوں کو آرائش و آسائش سے انگیزت دینا شروع کر دی جو حکمران بشری خواہشات کے تالاب میں غوطہ زن ہو گئے تو ان کو کانا کر کے اسرائیل کی ناجائز مملکت قائم کر دی اور بغضِ مسلم اس ناجائز مملکت کی نمو بھی کرنے لگا اور صلیب کے سینے میں چھپا کینہ بھی اہل کرباہر آنے لگا۔ چنانچہ انھوں نے اسرائیل کو مستحکم کیا اور مسلمانوں کو سود اور جمہوریت کی بھول بھلیوں میں ایسا منہمک بلکہ غفلت میں ڈال دیا کہ وہ دھیرے دھیرے خلافت بھول گئے، سونے اور چاندی کے سکوں کی اہمیت ان کے نزدیک ختم ہو گئی اور مسلمان حکمرانوں کی اکثریت باربر عیش و نوش قابل قبول ہوتی جو اس کی حسبِ خواہش ہوتی و گرنہ الجزائر اور فلسطین کی جمہوریت سے اگر اہل دین فتح یاب ہوئے بھی تو طاغوت کے ہاں ان کی جمہوریت کو ناقابل اعتبار ٹھہرا دیا گیا۔

کچھ اسی طرح کا حال اس نے ان مملکتوں اور سلطنتوں ”جن کو اس نے خود قائم کیا تھا“ کے ساتھ کیا کہ ان میں سے جن حکمرانوں نے اس سے نجات پانا چاہی وہاں اس نے بد امنی پیدا کر کے اس مملکت کو عدم استحکام سے دوچار کر دیا اور پھر خود ہی بغل میں چھری دبا کر مسیحا بن کر داخل ہو جاتا ہے۔ لیبیا، مصر، تونس، عراق وغیرہ ماضی قریب کے تازہ ترین نچیر ہیں۔ ملکی ہی نہیں اب عالمی طور پر بھی یہ سمجھا جانے لگا ہے کہ طاغوت ..... یعنی صلیب، یہود، ہنود ..... کا اصل ہدف پہلا اسلامی ایٹمی ملک، یعنی وطن عزیز تھا اور ہے، ہم سمجھتے ہیں افغانستان میں طاغوت کی دخل اندازی و مداخلت بھی اسی سلسلہ کی کڑی تھی۔ فیصلہ تو اللہ تعالیٰ ہی کے ہوتے ہیں لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہود کی سرمایہ کاری، صلیب کی عیاری اور بننے کی مکاری کے باوجود طاغوت افغان عوام سے خاطر خواہ تعاون نہ حاصل کر سکا۔ اس کی وجہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی مشیت تھی اور ہے۔ لیکن اس میں افغان مسلمانوں کی جرأت مند اندہ پالیسی اور ان کی احسان شناسی کا بھی یقیناً دخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ طاغوتی افواج کے افغانستان سے انخلاء کے دن جوں جوں قریب آرہے ہیں اس نسبت سے ڈرون حملے بھی بڑھ رہے ہیں، فرقہ واریت کے زہر کو بھی خطرناک حد تک پھیلا یا جا رہا ہے اور علاقائیت کی راکھ کو بھی ہوادے کر شعلہ بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ اللہ کا فضل اور مختلف فرق و مسالک کے دانش مند علماء کا کردار ہے کہ سب فرقوں کے افراد اس قتل و غارت کو ایک دوسرے فرقے کی طرف منسوب کرنے کی بجائے اس کو غیر ملکی مداخلت کاری جانتے ہیں، ہاں یہ افراد حیران بلکہ پریشان صرف اس بات پر ہیں کہ ہواؤں سے سازش سو گھنے کی شہرت رکھنے والے اداروں کے ہوتے ہوئے اب تک ایسا کیوں

ہو رہا ہے؟ اور مجرم تک ان کا ہاتھ نہ پہنچنے میں کون سا آسب رکاوٹ بنا ہوا ہے۔

ایسے ہی عالمی طاغوت نے عموماً عالمی اور خصوصاً مسلم ممالک کی معیشت سے کیا۔ ہمارے دیکھنے یعنی ماضی قریب میں طاغوت نے جب اسامہ نامی ہیولے کی آڑ میں افغانستان کو نشانہ بنایا تو ان دنوں عالمی طور پر اس حملے کے جن اسباب کی نشان دہی کی گئی تھی ان میں افغانستان میں مسلم امہ کے صنعتی زون قائم کرنا بھی ظاہر ہوا تھا، کیونکہ اس سے قبل نوآباد شدہ مسلم ریاستوں تک کی راہداری لینے کے لیے افغان مسلمانوں کو رام کرنے میں طاغوت ناکام ہو چکا تھا تو اب بھلا وہ مسلم صنعتی زون کیسے برداشت کر سکتا تھا۔ اس موقع پر میڈیا کے ذریعے دہشت گردی کا اس نے ایک ایسا ہوادنیا کے سامنے کھڑا کر دیا کہ دنیا عموماً اور خصوصاً اس کے باجگزار مسلم ممالک الجھ گئے اور وہ عالمی معیشت پر اپنا تسلط برقرار رکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ کیونکہ اس سے قبل وہ سلطنت عثمانیہ کے زوال کے بعد..... چاندی اور سونے کے..... سکے ختم کر کے کاغذی کرنسی کو مروج کر چکا تھا۔ اس کا بہ ظاہر اصول تو یہ رکھا کہ ہر ملک اپنے سونے چاندی کے ذخائر کے مطابق کرنسی نوٹ چھاپ سکے گا لیکن بہت سے ترقی پذیر ممالک..... ہماری طرح..... اس اصول کو پس پشت ڈالتے ہوئے دھڑا دھڑا نوٹ چھاپنے شروع کر کے کرنسی کو زوال کی طرف لڑھکانے کا باعث بن گئے اور جو ممالک طاغوت کے اس بھرے میں نہ آئے وہاں اس نے اپنے تنخواہ دار ملازمین بھیج کر ترقی کے سنہرے نام پر عوام اور حکمرانوں کو گمراہ یا رام کرنا شروع کر دیا اور ترقی کے نام پر ترقی پذیر ممالک کو سودی قرضوں میں اس طرح جکڑ دیا کہ وہ ملک دائماً ان کو سود ہی دیتا رہتا اور قرضہ چکانے کی نوبت ہی نہ آتی اور ترقی عموماً معیار زندگی بلند (Life Status High) کرنے کو گردانا جانے لگ جاتا۔ لہذا قرض در قرض سود در سود کا پیش خیمہ بن جاتا اور جو ملک صنعت یا زراعت کا راستہ اپنا کر خود کفیل (یعنی معاشی طاغوت سے آزاد) ہونے کی کوشش کرتا وہاں وہ بد امنی پیدا کر کے اس ملک کو اپنی سازشوں سے عدم استحکام کا شکار کر دیتا۔ وہاں طبقاتی، قبائلی، لسانی مسائل کو ہوادینا طاغوت کی پالیسی کا بنیادی حصہ ہوتا۔ اگر اس سے بھی اس کی مطلب بر آری نہ ہوتی تو مذہبی فرقہ واریت سے بھی گریز نہ کرتا کہ یہ اس کا اہم ہتھیار ہوتا ہے۔ صلیب یا استعمار کے اس سکرپٹ کے مکمل مشاہدے یا تصدیق کے لیے کسی گہری تحقیق، وسیع مطالعے اور جدوجہد کی ضرورت نہیں۔ آپ صرف وطن عزیز کے حالات کا جنرل ایوب ڈاٹ نیوز کی صنعت افزا پالیسیوں سے مطالعہ شروع کریں تو آپ کو صنعتیں قومیا نے کی پالیسیوں سے لے کر حکومت کے صنعتی سیکٹروں کے خساروں اور سرکاری اداروں کی نیلامی تک سب کچھ سمجھ میں آ سکتا ہے۔ مذکورہ بالا گزارشات پیش کرنے کی دو وجوہ تھیں:

۱: تاریخ کو سامنے رکھا جائے تو عالمی سیاسی شطرنج کے کھلاڑیوں کو وطن عزیز کے کارزار سیاست کی ہنگامہ آرائیوں، احتجاج، دعوؤں، وعدوں اور نعروں سے الگ کرنا شاید ممکن نہ ہو اور ہنگامہ سیاسی پتلیاں کیا کرتی ہیں جن کی ڈور کہیں دور سے ہلتی ہے۔

۲: دوسرا یہ کہ حکمرانی کے خواہش مندوں جناب عمران خان اور جناب میاں محمد نواز شریف کو تاریخ کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے بلکہ ہمیں یقین ہے کہ وزارت عظمیٰ کے ان دونوں خواہش مندوں نے یقیناً کیا ہوگا لیکن انہوں نے تاریخ بہ حیثیت تاریخ پڑھی ہوگی ہماری درخواست ہے کہ وہ تاریخ کو ہلال و صلیب کی کش مکش کے چشمے سے پڑھیں گے تو شاید کئی واقعات و شواہد ان کے لیے چشم افزا ہوں گے خصوصاً میاں صاحب! کہ بہ ظاہر عوام کی نظریں ان پر مرکوز ہیں اگرچہ وہ جملہ تابع فرمانیوں کے باوجود چشم اغیار میں ابھی تک کانٹے کی طرح کھٹکتے ہیں۔ جس جمہوریت کا میاں صاحب راگ الاپتے رہتے ہیں اس جمہوریت کی وہ تعریف بھی ان کے علم میں یقیناً ہوگی جو جناب اور یا مقبول جان نے اپنے کالم میں کی تھی اور جسے ہم الاعتصام کے اس شمارے میں شائع بھی کر رہے ہیں کہ ”جمہوریت فصل میں گھاس پھونس کی صفائی کرنے کا نام ہے“ وطن عزیز کے اقتدار کی فصل سے گھاس پھونس کی صفائی کی رفتار اگر یہی رہی تو پھر صاف ستھری حکومت تو ہماری تیسری نسل ہی دیکھ سکے گی۔ آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک کون جسے گاتری زلف کے سر ہونے تک

اگرچہ وطن عزیز کے بعض دانش ور اور تجربہ نگار اس لانگ مارچ کو بھی صلیب و ہلال ہی کے زاویہ سے دیکھتے ہیں جس کو جھٹلانا شاید آسان نہ ہو۔

## تفسیر سورہ یس

مولانا ارشاد الحق اثری رحمہ اللہ

سنو۔“ اس نے کہا: ہاں، سنو گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:  
﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ حَمْ ۝ تَنْزِيلٌ مِّنَ  
الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيَاتُهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا  
لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝﴾ [خم السجدة: ۱-۳]

رسول اللہ ﷺ آگے پڑھتے جا رہے تھے اور عتبہ اپنے دونوں  
ہاتھ پیچھے زمین پر ٹیکے ہوئے خاموشی سے سنتا جا رہا تھا۔ جب  
آپ ﷺ سجدے کی آیت پر پہنچے تو آپ ﷺ نے سجدہ کیا، پھر  
فرمایا: ”ابوالولید! تمہیں جو کچھ سننا تھا سن چکے، اب تم جانو اور تمہارا  
کام۔“

عتبہ بن ربیعہ وہاں سے اپنے ساتھیوں کے پاس آیا۔ مشرکین  
نے اسے آتا ہوا دیکھ کر ایک دوسرے سے کہا: اللہ کی قسم! ابوالولید جو  
چہرے لے کر گیا تھا وہ چہرے لے کر نہیں آ رہا۔ ابوالولید جب آ کر بیٹھ گیا تو  
مشرکین نے پوچھا: ابوالولید کیا خبر لے کر آئے ہو؟ اس نے کہا: خبر یہ  
ہے کہ:

”إني سمعت قولاً واللہ ما سمعت مثله  
قط، واللہ ما هو بالسحر ولا بالشعر ولا  
بالكهانة.“

”میں نے ایسا کلام سنا ہے کہ اللہ کی قسم اس جیسا کلام کبھی نہیں  
سنا۔ اللہ کی قسم! نہ وہ جادو ہے، نہ شعر ہے، نہ کہانت ہے۔“

یہ روایت ابن ہشام، مسند ابویعلیٰ، حاکم، ابن ابی شیبہ، مسند عبد بن  
حمید، دلائل النبوة للبیہقی اور تفسیر بغوی میں معمولی اختلاف کے ساتھ  
منقول ہے اور سیرت و تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے اور سورہ  
فصلت کی تفسیر میں بھی اس کا ذکر ہے جس سے عیاں ہوتا ہے کہ کفار

کفار مکہ اپنے حلقے کو مطمئن کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کو  
شاعر اور کاہن کہہ کر دل کا غبار کم کرتے تھے مگر خود ان کے ایک سردار  
ابوالولید عتبہ بن ربیعہ کی گواہی اس کے بالکل برعکس ہے، چنانچہ ایک  
روز وہ کفار کے مشورے سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا  
اور کہا: بھتیجے! ہماری قوم میں تمہارا جو مرتبہ ہے اور جو بلند پایہ نسب ہے  
وہ تمہیں معلوم ہے اور اب تم اپنی قوم میں ایسی دعوت لے کر آئے ہو  
جس کی وجہ سے تم نے قوم میں تفرقہ ڈال دیا ہے، ان کے معبودوں اور  
ان کے دین پر نقطہ چینی کرتے ہو، ان کے آباء و اجداد کو کافر کہتے ہو۔  
میری بات سنو، میں تمہارے سامنے چند تجویزیں پیش کرتا ہوں، ان  
پر غور کرو، ہو سکتا ہے کوئی بات قبول کرلو۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد  
فرمایا: ”ابوالولید! کہو، میں سنوں گا۔“ ابوالولید نے کہا: بھتیجے! یہ معاملہ  
جسے تم لے کر آئے ہو اگر اس سے تم یہ چاہتے ہو کہ مال حاصل کرو تو ہم  
تمہارے لیے اتنا مال جمع کیے دیتے ہیں کہ تم ہم میں سب سے زیادہ  
مال دار ہو جاؤ گے۔ اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اعزاز و مرتبہ حاصل کرو تو  
ہم تمہیں اپنا سردار بنا لیتے ہیں یہاں تک کہ تمہارے بغیر کسی معاملے کا  
فیصلہ نہیں کریں گے۔ اور اگر تم چاہتے ہو کہ بادشاہ بن جاؤ تو ہم تمہیں  
اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ اور اگر یہ جو تمہارے پاس آتا ہے، جن بھوت  
ہے جسے تم دیکھتے ہو لیکن اپنے آپ سے اسے دور نہیں کر سکتے تو ہم  
تمہارے لیے اس کا علاج تلاش کر لیتے ہیں۔ اس سلسلے کے لیے ہم  
اپنا اتنا مال خرچ کرنے کو تیار ہیں کہ تم شفا یاب ہو جاؤ۔

عتبہ بن ربیعہ یہ باتیں کر رہا تھا اور رسول اللہ ﷺ سن رہے تھے۔  
جب وہ اپنی بات کہہ چکا تو آپ نے فرمایا: ”ابوالولید! جو کہنا تھا کہہ  
لیا؟“ اس نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اب میری بات



مرفوع ہے اور ”عبدالمطلب“ میں ”ذ“ اضافت کی وجہ سے مسورہ ہے، یوں یہ کلام وزن شعر پر نہیں ہے۔

یہ اور اسی نوعیت کا دیگر کلام جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، گوان کی علماء نے توجیہ کی ہے اور اسے شعر قرار نہیں دیا لیکن اس قسم کے گنتی کے کلام کی بنیاد پر آپ ﷺ کو شاعر قرار دینا ہی صحیح نہیں کیونکہ کسی کی زبان سے محض کلام موزوں کا پایا جانا اس کے شاعر ہونے کی دلیل نہیں بلکہ جو کلام موزوں اشعار کے قصد و ارادے سے کہا جائے وہی شعر ہے اور اس کا قائل شاعر ہے۔ ایک دوروٹی پکانے والا نہ ”خباز“ کہلاتا ہے اور نہ ہی ایک ادھ قمیص بنانے والا درزی کہلاتا ہے۔

شیخ اسماعیل حق حنفی (متوفی ۱۱۳۷ھ) نے یہ ”درفشانی“ فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو فی لفظ نظم و شعر پر قدرت تھی مگر قدرت فعل کو مستلزم نہیں ہوتی۔ جب آپ ﷺ کو اچھے اور بُرے شعر میں موزوں اور غیر موزوں کلام میں تمیز حاصل تھی تو احکام شرعیہ کو نظم و نثر میں بیان کرنے پر قدرت کیوں نہیں ہوگی۔ (روح البیان: ۵۰۶، ۵۰۷ ملخصاً)

مگر یہ بات نص صریح کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا: ہم نے انھیں شعر کی تعلیم نہیں دی بلکہ یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ آپ ﷺ کے شایان شان ہی نہیں۔ نہ فطرتاً آپ ﷺ شاعر تھے نہ ہی سہولت کے ساتھ شعر کہہ سکتے تھے، جیسا علامہ راغب نے مفردات میں ”بغی“ کے مادہ کے تحت کہا ہے۔ پہلے باحوالہ گزر چکا ہے کہ آپ ﷺ نے شعراء کے بعض اشعار وزن کے خلاف پڑھے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یہ شعر دراصل یوں ہے، جس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

((إني والله ما أنا بشاعر وما ينبغي لي .))

”اللہ کی قسم! میں شاعر نہیں اور نہ یہ (شعر گوئی) میرے مناسب ہے۔“

جس کا علم ہی اللہ تعالیٰ نے نہ دیا ہو، آپ ﷺ نے فرمایا ہو کہ میں شاعر نہیں، اللہ تعالیٰ نے بلکہ خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو کہ شعر گوئی میرے شایان شان نہیں اور واقعاتی شہادتیں بھی اس کے مطابق ہوں

یہ سمجھتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ شاعر وغیرہ نہیں تھے۔

اسی طرح صحیح مسلم میں باب من فضائل أبي ذر رضی اللہ عنہ کے تحت امام مسلم نے ایک طویل روایت ذکر کی ہے جس میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کے بھائی انیس کا بیان ہے کہ میں مکہ میں گیا اور رسول اللہ ﷺ سے ملا، لوگوں کا ان کے بارے میں کہنا تھا کہ وہ شاعر، کاہن اور جادوگر ہیں۔ انیس کا شمار شعراء میں ہوتا تھا، وہ کہتے ہیں:

”لقد سمعت قول الكهنة فما هو بقولهم، ولقد وضعت قوله على أقرأ الشعر فما يلتئم على لسان أحد بعدي أنه شعر، والله إنه لصادق وإنهم لكاذبون.“

(صحیح مسلم، رقم الحديث: ۶۳۵۹)

”بے شک میں نے کاہنوں کا قول سنا ہے ان کا قول کاہنوں جیسا نہیں ہے۔ میں نے ان کا قول ماہر شعراء کے سامنے پیش کیا، میرے ساتھ دوسروں میں سے بھی کسی کی زبان پر یہ نہیں کہ یہ شعر ہے۔ اللہ کی قسم! وہ سچے ہیں اور کفار جھوٹ بولتے ہیں۔“

انیس جن کا شمار شعراء میں ہوتا تھا، ان کا یہ بیان بھی دلیل ہے کہ آپ ﷺ شاعر نہیں تھے۔

قرآن مجید میں صوتی ہم آہنگی یا کسی کلام کا کبھی وزن کے مطابق ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ وہ شعر ہے۔ علامہ ابن العربی نے قرآن مجید کی ایسی بہت سی آیات کا ذکر کیا ہے جن میں صوتی موافقت پائی جاتی ہے، پھر وضاحت فرمائی ہے کہ یہ وزن کے مطابق نہیں۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا غزوہ حنین کے موقع پر فرمانا:

أنا النبي لا كذب  
أنا بن عبدالمطلب

(صحیح بخاری، رقم الحديث: ۴۳۱۷ وغیرہ)

”میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔“

علامہ ابن العربی نے کہا ہے کہ ”کذب“ میں دراصل ”ب“

اسی طرح علامہ آلوسی نے لکھا ہے:

”وإنما لم يعط ﷺ القدرة على الشعر .“

(روح المعاني: ۲۳ / ۴۴)

”رسول اللہ ﷺ کو شعر کہنے پر قدرت نہیں دی گئی تھی۔“

انھوں نے مزید فرمایا ہے کہ ”المواهب اللدنیہ“ میں ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو شعر کہنے کی قدرت تھی مگر آپ ﷺ کو شعر کہنے کی ممانعت تھی۔ مگر یہ بات کچھ حیثیت نہیں رکھتی، البتہ اتنی بات درست ہے کہ آپ ﷺ کو شعر کہنے کی ممانعت تھی۔

یہاں یہ بات بھی پیش نگاہ رہے کہ نبوت کسی یا سببی نہیں، یہ تمام تر اللہ تعالیٰ کی موبہت اور فیضان ہے۔ اگر یہ تسلیم بھی کیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کو شعر کہنے کی قدرت تھی اور شعر کہنے کے اسباب و وسائل حاصل تھے اور جسے قدرت حاصل ہو ضروری نہیں کہ وہ شاعر بھی ہو۔ حالانکہ یہاں آپ ﷺ سے شعر کہنے کی نفی نہیں بلکہ شعر کی تعلیم دینے کی نفی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿عَلَّمَ الْقُرْآنَ﴾، نیز فرمایا: ﴿عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ [الرحمن: ۲، ۴] یہ قرآن کی تعلیم اور بیان کی تعلیم بغیر کسی سبب کے محض اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کا نتیجہ ہے۔ اس لیے آپ ﷺ کو جو بھی تعلیم دی گئی ہے یہ کسی سبب کی بنا پر نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے لطف و احسان کا نتیجہ ہے۔ اس لیے آپ ﷺ کو شعر و شاعری کی تعلیم نہیں دی تو یہ اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ یہ آپ ﷺ کے شایان شان ہی نہیں۔ شعر و شاعری میں عموماً لہو و لعب کا عنصر پایا جاتا ہے۔ اور یہ آپ ﷺ کی زندگی کا مقصد نہیں، آپ ﷺ کی زندگی کا مقصد تو علم و حکمت سے ہے، اس لیے ہم نے یہ علم آپ ﷺ کو سکھایا ہی نہیں۔ اس سے اس دعوے کی جڑ کاٹ جاتی ہے کہ آپ ﷺ کو تمام علوم سکھائے گئے ہیں۔

شعر کی ہی نفی کیوں؟

علامہ رازی نے فرمایا ہے کہ کفار مکہ تو رسول اللہ ﷺ کو ساحر اور کاہن بھی کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں یہ تو نہیں فرمایا کہ ہم نے انھیں جادو کی اور کہانت کی تعلیم نہیں دی، صرف اتنا کیونکر فرمایا ہے کہ

تو اس کے باوجود یہ کہنا کہ آپ ﷺ کو شعر کہنے کی قدرت تھی مگر آپ ﷺ شعر کہتے نہیں تھے، محض خرافی ذہن کی عکاسی ہے۔ آپ ﷺ سے شعر و شاعری کی نفی بہ طور نقص اور عیب کے نہیں بلکہ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے فرمایا:

﴿وَمَا كُنْتُمْ تَنَلُّوْا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخُطُّهُ

بِأَمْرٍ مِنْكُمْ﴾ [العنکبوت: ۴۸]

”اور نہ تو اس سے پہلے کوئی کتاب پڑھتا تھا اور نہ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتا تھا۔“

اس آیت کے مطابق نہ آپ ﷺ کا کتاب نہ پڑھ سکتا عیب تھا اور نہ ہی نہ لکھ سکتا عیب اور نقص تھا۔ اور نہ ہی یہاں یوں کہا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ پڑھنے لکھنے کی قدرت تو رکھتے تھے مگر آپ ﷺ نے کتاب پڑھی نہیں اور نہ ہی کوئی مکتوب لکھا تھا۔

علامہ قرطبی نے ذکر کیا ہے کہ مامون کے دربار میں ابوعلی المنقری حاضر ہوا تو مامون نے کہا: تو صحیح شعر نہیں کہہ سکتا، تیرے کلام میں لحن ہے اور معلوم ہوا ہے کہ تو اُمی ہے، یعنی کچھ لکھ نہیں سکتا۔ ابوعلی نے کہا: بعض اوقات کلام میں غلطی و لحن سبقت لسانی کا نتیجہ ہے۔ رہا اُمی ہونا اور شعر نہ کہہ سکتا تو رسول اللہ ﷺ بھی لکھنا نہیں جانتے تھے اور صحیح طور پر شعر کہہ سکتے تھے۔ مامون نے کہا: میں نے تجھ سے تیرے تین عیوب کے بارے میں سوال کیا تھا، تو نے اس کے جواب میں اپنے اندر ایک چوتھے عیب کا اضافہ کیا ہے اور وہ ہے تیری جہالت۔ اے جاہل! رسول اللہ ﷺ کا نہ لکھنا اور شعر نہ کہنا نقص نہیں فضیلت ہے اور یہ تیرے لیے نقص اور عیب ہے۔

علامہ قرطبی نے فرمایا ہے کہ اللہ نے جو یہ فرمایا ہے کہ شعر و شاعری آپ ﷺ کے مناسب حال نہیں تو یہ اس لیے ہے:

”فیظن أنه قوي على القرآن بما في طبعه من

القوة على الشعر .“ (تفسیر قرطبی: ۱۱۵ / ۵۵)

”یہ خیال نہ کیا جائے کہ آپ ﷺ شعر کہنے کی قوت رکھتے ہیں تو آپ ﷺ قرآن بنانے کی بھی قوت رکھتے ہیں۔“



2

اولاً: یہ اس دور کے عموماً شعراء کی حقیقت ہے کہ ان کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں جو بے حیائی کی تمام حدود پار کر جاتے ہیں۔ برعکس انبیائے کرام کے پیروکاروں کے کہ وہ اعلیٰ اخلاق و کردار کے پیکر ہوتے ہیں۔

ثانیاً: وہ ہر وادی میں منہ مارتے پھرتے ہیں۔ کسی کی مدح سرائی اور تعریف ہے تو کسی کی مذمت اور جھوٹا ہے۔ اگر کبھی کسی کو آسمان پر چڑھا دیا ہے تو دوسرے وقت میں اسے تخت الشریٰ میں جا گرایا ہے۔ کبھی کلام مومنانہ شان لیے ہوئے ہے تو کبھی رندانہ اور لہذا کلام پیش کیا جاتا ہے۔ اس کے برعکس نبی کے کلام میں یکسانیت ہوتی ہے اور وہ ایک حقیقت پر مبنی ہوتا ہے۔

ثالثاً: شاعر گفتار کا غازی ہوتا ہے کردار کا غازی نہیں ہوتا، علامہ اقبال نے کہا ہے۔

اقبال پر بڑا اُپدیشک ہے من باتوں میں موہ لیتا ہے  
گفتار کا یہ غازی تو بنا کردار کا غازی بن نہ سکا  
اس کے برعکس نبی جو کہتا ہے سب سے پہلے اس پر خود عمل کرتا ہے  
اور کہتا ہے: ﴿وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ﴾ یعنی کوئی تسلیم کرے نہ کرے،  
میں سب سے پہلے تسلیم کرتا ہوں۔

### ضرورت رشتہ

نوجوان عمر 25 سال، ایم۔ ایس۔ سی اکنامکس، ایم۔ فل  
اکنامکس، اسٹنٹ ڈائریکٹر ایڈمن پنجاہ فوڈ اتھارٹی، گریڈ 17،  
کے لیے باوقار اہل حدیث خاندان کی نیک سیرت خوب صورت  
تعلیم یافتہ 20 سال عمر تک، لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔

والدین یا سرپرست مندرجہ ذیل پتے پر رابطہ کریں:

مولانا محمد یلین راہی، مدیر ادارہ تبلیغ اسلام، جام پور

فون نمبر: 0333-8556473

ہم نے انھیں شعر و شاعری کی تعلیم نہیں دی؟ امام صاحب فرماتے ہیں:  
”یہ اس لیے کہ کاہن تو وہ آپ ﷺ کو اس لیے کہتے تھے کہ  
آپ ﷺ جو آئندہ کی خبر دیتے تھے وہ سچی ثابت ہوتی تھی  
اور جادوگر اس لیے کہتے تھے کہ آپ نے جو معجزات دکھائے  
وہ ایسا کرنے پر قادر نہیں تھے، جیسے: چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا،  
پتھروں کا کلام کرنا وغیرہ۔ اور شاعر اس لیے کہتے تھے کہ  
آپ ﷺ انھیں قرآن پڑھ کر سناتے تھے اور اس کی تاثیر کی  
بنا پر آپ ﷺ کو شاعر کہتے تھے۔ اور قرآن کو ہی چیلنج کے  
طور پر آپ ﷺ نے پیش کیا کہ اگر تمہیں اس کے بارے  
میں شک ہے تو اس جیسا کلام تم بھی بنالو۔ مگر یہ کبھی نہیں کہا  
کہ تم بھی درختوں کو بلا کر دکھلاؤ یا کوئی مستقبل کی خبر دو جو سچی  
ثابت ہو۔ اس لیے جب چیلنج قرآن کے بارے میں تھا اور  
وہ اسے شاعرانہ کلام سمجھتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اسی کی نفی کی کہ  
ہم نے شعر و شاعری کی تعلیم ہی نہیں دی۔“

شاعری نبوت کے لیے نامناسب کیوں؟

اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے کہ شاعری آپ ﷺ کی شان سے  
فروتر ہے۔ اس کی نبوت سے کیوں مناسبت نہیں ہے اس لیے کہ  
شاعری اکثر خیالی تک بندی اور تصوراتی طبع آزمائی پر مبنی ہوتی ہے  
جب کہ نبی تو دنیا و آخرت کے ٹھوس حقائق سے آگاہ کرتا ہے۔ وہ اگر  
واقعے کی حکایت بیان کرتا ہے تو اس میں عبرت و نصیحت کا پہلو ہوتا  
ہے، محض قصہ گوئی مقصود نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس کے تین  
اسباب سورۃ الشعراء میں بیان فرمائے ہیں:

﴿وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۝ أَلَمْ تَرَىٰ أَنَّهُمْ فِي  
كُلِّ وَادٍ يَهْبِئُونَ ۝ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ ۝﴾

[الشعراء: ۲۲۴-۲۲۶]

”اور شاعر لوگ، ان کے پیچھے گمراہ لوگ لگتے ہیں۔ کیا تو  
نے نہیں دیکھا کہ بے شک وہ ہر وادی میں سر مارتے پھرتے  
ہیں۔ اور یہ کہ بے شک وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔“

## غنیۃ القاری

ترجمہ

## ثلاثیات البخاری

تالیف: إمام المفسرین ، زیدۃ المحدثین  
محی السنۃ نواب والا جاہ صدیق الحسن خان رحمہ اللہ

تسمیل: حافظ محمد اشرف سعید رحمہ اللہ

۱۱۔ گیارہویں ثلاثی حدیث:

”أخرجہ البخاری فی ”باب البيعة في الحرب ألا يفروا منه“ من ”كتاب الجهاد“ المذكور في الربع الثاني . هكذا حدثنا المكي بن إبراهيم ثنا يزيد بن أبي عبيد عن سلمة قال: بايعت النبي ﷺ ، ثم عدلت إلى ظل الشجرة فلما خف الناس قال: ((يا ابن الأكوع! ألا تباع؟)) قال: قلت: قد بايعت يا رسول الله! قال: وأيضا فبايعته الثانية . فقلت له: يا أبا مسلم! على أي شيء كنتم تباعون يومئذ؟ قال: على الموت .“

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ”كتاب الجهاد“ ربع ثانی باب: ”میدان جنگ سے نہ بھاگنے پر بیعت کرنا۔“ میں ذکر کیا ہے۔ کہا امام بخاری نے: حدیث بیان کی ہم کو مکی بن ابراہیم نے، مکی نے کہا: حدیث بیان کی ہم کو یزید بن ابی عبید نے، یزید نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انھوں نے کہا: میں نے (حدیبیہ کے دن) رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی، پھر ایک درخت کے سائے کی طرف چلا گیا۔ جب لوگوں کا ہجوم کم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”اکوع کے بیٹے! کیا تم نے بیعت نہیں کرنی؟“ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے تو بیعت کر چکا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”پھر کرلو۔“ میں نے دوسری بار آپ ﷺ سے بیعت کی۔ یزید نے کہا: میں نے سلمہ سے پوچھا: ابوسلمہ (یہ ان کی کنیت ہے)! تم نے اس

دن کس بات پر بیعت کی تھی؟ انھوں نے کہا: موت پر۔“  
فائدہ: شروع اسلام میں ایک مسلمان کا دس کافروں کے مقابلے سے بھاگنا حرام تھا، پھر تخفیف ہو کر دو پر مقرر ہوا۔

بیعت قرآن وحدیث سے ثابت ہے جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:  
﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَى نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَمُسَوِّئُهُ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ [الفتح: ۱۰]

”بے شک وہ لوگ جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے، پھر جس نے عہد توڑا تو درحقیقت وہ اپنی ہی جان پر عہد توڑتا ہے اور جس نے وہ بات پوری کی جس پر اس نے اللہ سے عہد کیا تھا تو وہ اسے جلد ہی بہت بڑا اجر دے گا۔“

بیعت کرنا سنت ماثور ہے، واجب فرض نہیں۔ جو بیعت صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے کی تھی وہ کئی طرح کی تھی، کبھی ہجرت پر، کبھی جہاد پر، کبھی میدان جنگ سے نہ بھاگنے پر اور کبھی سنت پر قائم رہنے پر اور بدعت سے بچنے پر اور کبھی آپ ﷺ کی ہر قسم کی اطاعت کرنے پر اور کبھی سوال سے بچنے پر، جیسے مہاجرین کی ایک قوم نے بیعت کی تھی جن میں ابوبکر صدیق بھی ہیں۔ انھوں نے اس عہد کو ایسا بنا ہا کہ اگر کسی ایک کا کوڑا زمین پر گر جاتا تو وہ خود گھوڑے سے نیچے اتر کر اپنا کوڑا اٹھاتا تھا، کسی دوسرے سے اس کے اٹھانے کا سوال نہیں کرتا تھا اس خیال سے کہ شاید اس سوال کے کرنے سے وہ عہد نہ ٹوٹ جائے۔ اور کبھی اس بات پر بیعت کرتے تھے کہ میت پر روئیں پیٹیں گے نہیں جس طرح انصار کی عورتوں کی ایک جماعت نے آپ ﷺ سے

بادشاہت میں بدل گئی، سنت بیعت موقوف ہو گئی، اس وقت حضرات صوفیاء کرام رحمہ اللہ نے اس سنت کو تھام لیا اور خلق خدا سے بیعت لے کر خدا کی طرف راغب کیا۔ یہ بیعت ایسے وقت میں بہت غنیمت تھی۔ لیکن جو بیعت پیر زادے لیا کرتے ہیں اور اپنے کھانے اور کمانے کے لیے مریدوں کو نماز روزہ معاف کر دیتے ہیں اور خلاف شرع بدعتوں اور رسموں میں دھکیل دیتے ہیں تو یہ بیعت حرام ہے۔ اب تو ایسا پیر جو خدا تک پہنچائے اور دنیا سے بے رغبت کرے، ناپید ہے۔ اب مسلمان پر فرض ہے کہ سمجھ بوجھ کر بیعت کرے۔ اگر کوئی صالح پیر میسر نہ ہو تو قرآن وحدیث پر عمل کرے اور علماء ومشائخ کی بدعات ومحدثات سے بچے جس کا شرع میں ثبوت نہیں، نجات آخرت کے لیے اتنا کافی ہے۔ بیعت کے آداب و شرائط اور بیعت لینے اور بیعت کرنے کے متعلق شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ”القول الجمیل“ اور ”شفاء العلیل“ میں لکھا ہے، جس کا دل چاہے اس میں دیکھ لے۔

بیعت کی تھی۔ اور کبھی اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے کبھی اولاد کو قتل نہیں کریں گے، چوری نہیں کریں گے، بہتان نہیں باندھیں گے، نیک کام میں نافرمانی نہیں کریں گے اور کبھی فقط اسلام کے قبول کرنے پر۔ اور کبھی رسول اللہ ﷺ بیعت کے وقت اپنی طرف سے کوئی شرط زیادہ کر دیتے جس طرح بیعت جریر رضی اللہ عنہ میں ایک شرط زیادہ کی کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کرو۔ انصار کی ایک قوم نے آپ ﷺ سے بیعت کی، آپ ﷺ نے ان سے یہ شرط زیادہ کی کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی پروا نہ کرنا اور ہر جگہ کلمہ حق کہنا، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس عہد کو اتنا نباہا کہ بادشاہوں اور حاکموں کے سامنے کلمہ حق پکار کر کہتے اور خلاف شرع کا صاف انکار کرتے اور جان جانے کی ذرا پروا نہ کرتے۔

الغرض، رسول اللہ ﷺ کے عہد میں کئی طرح سے بیعت ہوئی تھی اور دونوں طرف سے بیعت کی شرائط پوری ہوتی تھیں اور جب زمانہ خلافت گزر گیا، دوسرے لوگ بادشاہ حاکم ہونے لگے، خلافت

## ادارہ تبلیغ اسلام جام پور کی طرف سے اہم اعلان

### اہل حدیث کے امتیازی مسائل پر مشتمل مکمل سیٹ مفت منگوائیں

ادارہ تبلیغ اسلام جام پور کی طرف سے اہل حدیث کے امتیازی مسائل پر مشتمل فوراً خوب صورت اور مدلل سات اشتہار کا درج ذیل سیٹ مفت زیر تقسیم ہے:

رابطہ بذریعہ فون  
صبح 7 بجے سے  
10 بجے تک

- ①..... کیا اللہ کے سوا کوئی اور مشکل حل کرنے پر قادر ہے؟ ایک سوال کی دس شکلیں!
- ②..... نماز میں پاؤں سے پاؤں ملانے اور سینے پر ہاتھ باندھنے کا ثبوت!
- ③..... نماز، روزہ کے محمدی دائمی اوقات! ④..... اہمیت نماز اور بے نماز کا انجام! ⑤..... سورۃ فاتحہ خلف الامام!
- ⑥..... نبی ﷺ سے آمین بالجہر کا ثبوت! ⑦..... اثبات رفع الیدین!

ملک بھر کی تمام مساجد اہل حدیث کے منتظمین حضرات مکمل سیٹ مفت منگوائیں اور فریم کروا کر اپنے زیر انتظام مساجد و دینی مراکز میں نمایاں جگہ پر آویزاں کریں۔  
یہ اشتہارات مساجد و مراکز کی زینت اور مسائل حق کی ترویج کا بہترین و موثر ذریعہ ہیں۔ ڈاک خرچ ادارہ خود برداشت کرے گا۔

(مولانا) محمد سلیمین راہی مدیر ادارہ تبلیغ اسلام جام پور، ضلع راجن پور، پنجاب۔ پاکستان موبائل: 0333-8556473

## عید میلاد النبی ﷺ؛ حقائق کے آئینے میں

ابومعاویہ عبداللہ طاہر، ابوالاحمد وقاص زیر (اسلامک ریسرچ سنٹر، راولپنڈی)

نہیں سمجھا جاتا۔ اس مختصر سے مضمون میں ہم بدعت کی حقیقت اور اس کے حکم کو قرآن و سنت اور ہم صحابہ رضی اللہ عنہم سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔  
**بدعت کا معنی:**

لغوی طور پر ”بدعت“ ہر اُس نئی چیز کو کہتے ہیں جو سابقہ مثال کے بغیر بنائی گئی ہو، چنانچہ اس معنی میں قرآن میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت وارد ہے:

﴿يَدْعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ [البقرة: ۱۱۷]

یعنی زمین و آسمان کو سابقہ کسی مثال کے بغیر پیدا کرنے والا۔

**بدعت کی شرعی تعریف:**

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”ما أحدث وليس له أصل في الشرع ويسمى في عرف الشرع بدعة، وما كان له أصل يدل عليه الشرع فليس بدعة، فالبدعة في عرف الشرع مذمومة بخلاف اللغة.“

(فتح الباري: ۲۵۳/۱۳)

”جس کی شریعت میں کوئی اصل نہ ہو، شرعاً اسے بدعت کہتے ہیں۔ اور جس کی شریعت میں اصل ہو، وہ بدعت نہیں، لہذا شرعاً جسے بدعت کہا جاتا ہے، وہ مذموم ہے اور لغوی معنی کے اعتبار سے ہر بدعت مذموم نہیں ہوتی۔“

تقریباً یہی تعریف حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے بھی کی ہے۔

(جامع العلوم والحکم: ۱۹۳)

علامہ عینی حنفی بدعت کی تعریف یوں کرتے ہیں:

”بدعت دین میں ہر اُس نئے کام کو کہتے ہیں جس کی اصل

اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کو مکمل فرما کر قرآن مجید میں یہ اعلان فرمادیا:

﴿الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاتَّمَمْتُ عَلَيْكُمْ

نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [المائدة: ۳]

اللہ رب العزت نے دین اسلام کی تکمیل فرمادی۔ اب اس میں کسی کمی بیشی کی گنجائش نہیں۔ ہر اُس طریقہ کار کو قرآن و سنت کی روشنی میں واضح اور کھول کر بیان کر دیا گیا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کا ذریعہ ہے۔ اس طریقہ کار کو ہم صرف اور صرف قرآن و سنت کے ذریعے سے ہی معلوم کر سکتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ [محمد: ۳۳]

”اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور (ان کی نافرمانی کر کے) اپنے اعمال برباد نہ کرو۔“

قرآن و سنت کی اتباع کے ساتھ ساتھ ہمیں دین میں نئی باتیں ایجاد کرنے اور ان پر عمل کرنے سے بھی منع کیا ہے کیونکہ دین میں ہر نیا ایجاد کردہ کام ”بدعت“ کہلاتا ہے جو گمراہی ہے۔ اس سلسلے میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے:

((من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو

رد. د.)) (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۶۹۷)

”جس نے ہمارے اس حکم (دین) میں کوئی نئی بات ایجاد

(کر کے داخل) کی جو اس میں نہ تھی تو وہ قابلِ رد ہے۔“

موجودہ دور میں لوگ بہت سی بدعات کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

چونکہ یہ بدعات نیکی سمجھ کر کی جاتی ہیں، اس لیے ان کو عام طور پر بُرا بھی

۶۶۰۷، سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۴۲)

درج بالا احادیث کسی بھی غیر جانب دار آدمی کے فیصلہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔ آج بھی ہر طرف اختلاف کا دور دورہ ہے، ہر آدمی اپنے مخصوص طرز فکر کی بات کرتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے فرقوں کے تعصب سے بالاتر ہو کر امام الانبیاءؑ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی سچی تعلیمات کو سینے سے لگائیں۔

۳: فقیہ الامہ، جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”عقرب میرے بعد تمہارے معاملات ایسے لوگوں کے ہاتھ لگ جائیں گے جو سنت کو مٹائیں گے، بدعتیں جاری کر کے ان پر عمل کریں گے، نمازوں کو ان کے اوقات سے لیٹ کریں گے۔“ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر میں ان کو پاؤں تو کیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے ام مہدی کے بیٹے! تو مجھ سے پوچھتا ہے کہ کیا کرے، جو اللہ کا نافرمان ہے اس کی کوئی اطاعت نہیں۔“

(سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۲۸۶۵)

۴: ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ”ہر سال کچھ لوگ کوئی نہ کوئی بدعت جاری کر دیتے ہیں اور اس کی جگہ کوئی نہ کوئی سنت مٹا دیتے ہیں، نتیجہ یہ ہوگا کہ بدعتیں زندہ اور سنتیں مردہ ہو جائیں گی۔“

(البدع والنہی عنہا لابن وضاح: ۹۹)

۵: امام حسان بن عطیہ (تابعی) فرماتے ہیں:

”لوگ اپنے دین میں جتنی بھی بدعات جاری کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اتنی ہی سنتیں ان سے چھین لیتا ہے، پھر تاقیامت ان لوگوں کو (ان سنتوں پر عمل کی توفیق) نہیں لوٹاتا۔“

(سنن دارمی، رقم الحدیث: ۹۹)

معلوم ہوا کہ بدعت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ سنتیں ہم سے ہمیشہ کے لیے چھوٹ جاتی ہیں۔ اور آج لوگوں سے انہی بدعات

کتاب وسنت میں نہ ہو۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ایسی چیز کا اظہار جو نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں نہ ہو۔“ (عمدۃ القاری فی شرح صحیح البخاری:

۳۷/۲۵)

بریلوی مکتب فکر کے مشہور عالم جناب غلام رسول سعیدی صاحب صحیح مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں:

”اس سلسلے میں صحیح قاعدہ یہ ہے کہ جس خاص عبادت کے کرنے کا محرک ہو اور اس کے کرنے سے کوئی مانع نہ ہو، اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے وہ کام قصداً ترک کیا ہو تو وہ کام کرنا یقیناً ناجائز امر بدعت ہے۔“ (شرح صحیح مسلم: ۵۴۵/۲)

درج بالا علماء کی تصریحات اور غلام رسول سعیدی صاحب کی اس تعریف سے واضح ہوتا ہے کہ ”بدعت“ ہر وہ عمل ہے جس کی اصل کتاب وسنت میں نہ ہو۔ اور لغوی بدعت اس میں شامل نہیں۔

**بدعت کا حکم:**

ہر بدعت گمراہی ہے اور اللہ کی شریعت میں اضافہ ہے:

۱: رسول اللہ ﷺ اپنے خطبے میں یہ الفاظ فرمایا کرتے تھے:

((وشر الأمور محدثاتها، وکل بدعة ضلالة.)) (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۸۶۷)

”اور برے ترین اعمال بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

۲: سیدنا عرابض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

”جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بہت اختلاف دیکھیں گے۔ ایسے حالات میں میری سنت پر عمل کرنے کو لازم پکڑنا اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقے کو مضبوطی سے تھامے رکھنا اور اس پر سختی سے جبر ہنا، نیز دین میں پیدا ہونے والی نئی باتوں سے اپنے دامن کو بچا کر رکھنا کیونکہ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“ (سنن أبی داود، رقم الحدیث:



کے سبب بے شمار سنتیں چھوٹی ہوئی ہیں، حتیٰ کہ لوگوں کو جب ان سنتوں کی ترغیب دلائی جاتی ہے تو وہ سنتوں کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ (والعیاذ باللہ)

بدعت کی اقسام:

بعض لوگوں نے بدعت کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہوا ہے: بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ حالانکہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ ہر بدعت گمراہی ہے، جیسا کہ گزشتہ سطور میں حدیث واضح ہے۔

✽ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”کل بدعة ضلالة وإن رآها الناس حسنة.“

(السنة للمروزي، ص: ۸۳، المدخل إلى السنن

الكبرى للبيهقي)

”ہر بدعت گمراہی ہے اگرچہ لوگ اسے ”بدعت حسنہ“ سمجھیں۔“  
جلیل القدر صحابی نے یہ فیصلہ کر دیا کہ کوئی بدعت حسنہ یا اچھی نہیں ہوتی بلکہ ہر بدعت گمراہی ہوتی ہے۔

✽ سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے خطبے میں فرمایا کرتے تھے:

”وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة.“

(البدع والنهي عنها لابن وضاح: ۶۱)

”(دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

جب ہر بدعت گمراہی ہے تو پھر گمراہی حسنہ (اچھی) کیسے ہو سکتی ہے؟  
بدعت کا خطرناک انجام:

بدعت انسان کے اعمال برباد کر دیتی ہے اور اسے جہنم لے جانے کا ذریعہ بنتی ہے:

۱: سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میں حوض کوثر پر تم سے پہلے موجود ہوں گا۔ جو شخص بھی میری

طرف آئے گا وہ اس کا پانی پیے گا، پھر وہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا اور

وہاں کچھ ایسے لوگ بھی آئیں گے جنہیں میں پہچان لوں گا (کہ

یہ میرے امتی ہیں) لیکن پھر انہیں میرے سامنے سے ہٹا دیا

جائے گا۔“ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۶۵۸۳)  
آپ ﷺ فرمائیں گے: ”یہ تو مجھ سے ہیں۔“ جواب میں کہا جائے گا: آپ کو نہیں معلوم کہ انہوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا نئی چیزیں ایجاد کر لی تھیں۔ اس پر آپ ﷺ فرمائیں گے: ”دور ہو جائے وہ شخص جس نے میرے بعد میرے دین میں تبدیلی کر لی تھی۔“ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۶۵۸۴)

۲: جناب انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن الله حجب التوبة عن صاحب كل

بدعة.)) (المعجم الأوسط للطبراني: ۴ / ۲۸۱)

”بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کو ہر بدعتی سے دور کر دیتا ہے۔“

اس حدیث سے بدعت کی سنگینی واضح ہے۔

بدعت کے متعلق چند شبہات کا ازالہ

۱۔ اعتراض:

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ پنکھا، بجلی اور لاؤڈ سپیکر وغیرہ بھی تو

بدعت ہیں، ان کا استعمال کیوں نہیں ترک کیا جاتا؟

جواب:

اس کا جواب یہ ہے کہ شرعی طور پر بدعت ہر اس کام کو کہتے ہیں

جسے دین سمجھ کر دین میں داخل کیا جائے، جیسا کہ اس حدیث میں

بالکل واضح ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من أحدث في ديننا ما ليس منه فهو

رد.)) (شرح السنة للبغوي: ۱ / ۱۸۴)

”جو ہمارے دین میں ایسی بات نکالے جو اس میں موجود نہ

ہو تو وہ مردود ہے۔“

اور یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ یہ کام کوئی شخص بھی دین یا

ضروریات دین سمجھ کر نہیں کرتا اور دنیاوی امور کے متعلق تو خود سیدنا

محمد رسول اللہ ﷺ نے فرما دیا تھا:

((أنتم أعلم بأمور دنياكم.))

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۳۶۳)

گزر چکی ہے۔ اور اس حدیث میں ”اچھا طریقہ“ جاری کرنے سے مراد وہ طریقہ ہے جس کی کتاب وسنت میں اصل ہو، لیکن کسی وجہ سے وہ عمل موقوف ہو چکا ہو۔ لہذا اس حدیث سے بدعت کے جواز پر استدلال کرنا سراسر انصافی ہے۔

### ۳۔ اعتراض:

بعض لوگ نماز تراویح کے حوالے سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول پیش کرتے ہیں:

”نعم البدعة هذه.“

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۰۱۰)

### جواب:

نماز تراویح قطعاً بدعت نہیں کیونکہ اس کی اصل نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے، ایک حدیث ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إنه من قام مع الإمام حتى ينصرف كتب له

قيام ليلة.)) (سنن ترمذی، رقم الحدیث: ۸۰۶)

”جو شخص امام کے ساتھ قیام کرتا ہے یہاں تک کہ وہ (امام)

لوٹ جائے تو اس کے حق میں پوری رات کا قیام لکھ دیا

جاتا ہے۔“

اس کا ثبوت اللہ کے نبی ﷺ سے بالفعل بھی ثابت ہے۔ لیکن تراویح کے فرض ہونے کے ڈر سے اللہ کے نبی ﷺ نے تین دن کے بعد اس کی جماعت کو ترک کر دیا تھا۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۲۰۱۲، صحیح ابن خزیمہ: ۱۳۸/۲، صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۲۴۰۱)

یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اصل کے موجود ہونے کے باعث مختلف ٹولیوں کی شکل میں نماز تراویح ادا کیا کرتے تھے، جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایات سے ہی واضح ہے کہ اس کے بعد آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو ایک امام کے پیچھے جمع فرما دیا اور اس موقع پر آپ ﷺ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

”دنیاوی امور کو تم بہتر جانتے ہو۔“

اس حدیث مبارکہ سے یہ اصول ثابت ہوا کہ دنیاوی کاموں میں جب تک ممانعت وارد نہ ہو، کر سکتے ہیں۔ جب کہ دین کے کاموں میں اللہ تعالیٰ کا حکم ضروری ہے، جب تک شرعی دلیل نہ ہو، ان کا کرنا ممنوع ہے۔

### ۲۔ اعتراض:

بعض لوگ یہ روایت پیش کرتے ہیں:

((من سن في الإسلام سنة حسنة فعمل بها

بعده كتب له مثل أجر من عمل بها.))

”جس نے اسلام میں اچھا طریقہ جاری کیا، پھر اس پر عمل

بھی کیا گیا تو اسے عمل کرنے والوں کے ثواب کی طرح

ثواب ملے گا۔“

### جواب:

اس حدیث سے بدعت کی مشروعیت کے لیے دلیل پکڑنا حیران کن امر ہے کیونکہ اگر اس حدیث کا یہ غور مطالعہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ ان الفاظ سے پہلے ایک واقعہ مذکور ہے جو ان الفاظ کا سبب بنا ہے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں چند دیہاتی آئے جو اون کی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی خستہ حالی اور ضرورت کو دیکھ کر لوگوں کو صدقہ کرنے کے لیے کہا۔ لوگوں نے کچھ تاخیر کی جس سے آپ ﷺ کے چہرے پر ناراضگی کے آثار نمودار ہوئے، پھر ایک انصاری درہموں کا تھیلا لے کر آیا، پھر دوسرا آیا، اس طرح لانے والوں کی قطار بن گئی، حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ کے چہرہ اقدس پر خوشی و فرحت کے آثار دکھائی دینے لگے، اس پر آپ ﷺ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۰۱۷)

اس واقعے کی تفصیل دیکھنے کے بعد مزید وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ اس سے بدعت کا جواز قطعاً ثابت نہیں ہوتا کیونکہ صدقہ و خیرات کی شریعت میں اصل موجود ہے اور جس کی اصل موجود ہو وہ قطعاً بدعت نہیں جیسا کہ اس کی تفصیل ”بدعت کی تعریف“ میں

”لو جمعت هؤلاء على قارئ واحد لكان أمثل.“  
اس سے معلوم ہوا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بدعت کا لغوی معنی مراد لیا ہے جو کہ مذموم نہیں۔ البتہ شرعاً ہر بدعت گمراہی ہے جیسا کہ بدعت کی تعریف میں یہ بات گزر چکی ہے۔  
اس بات کی تائید خود سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بیٹے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:  
”كل بدعة ضلالة، وإن رآها الناس حسنة.“

(السنة لمحمد بن نصر المروزي، ص: ۲۴)

”ہر بدعت گمراہی ہے اگرچہ لوگ اسے ”بدعت حسنہ“ سمجھیں۔“

۴۔ اعتراض:

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ان بدعات (مثلاً: عید میلاد النبی ﷺ، چالیسواں اور گیارھویں وغیرہ) سے منع تو نہیں فرمایا، اس لیے یہ کام بالکل جائز ہیں۔

جواب:

شریعت نے ہر چیز کا نام لے کر اسے ناجائز و حرام قرار نہیں دیا بلکہ اصول بیان کیے ہیں۔ جو چیز ان اصولوں پر پوری اترے اس کا حکم وہی ہے جو اصل کا ہے، مثلاً:

”ہر پچکلی والا درندہ حرام ہے۔“ (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۹۳۲)

یہ اصول بیان کر دیا گیا اور اس کے تحت جتنے بھی جانور ہیں وہ حرام قرار پائیں گے۔ لیکن جانوروں کی لسٹ قرآن و سنت میں نہیں ملے گی کہ یہ حرام اور یہ حلال ہیں۔ بالکل اسی طرح شرعی کاموں کے لیے بھی اصول بیان کر دیا گیا:

((كل بدعة ضلالة.))

(صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۸۶۷)

”ہر بدعت گمراہی ہے۔“

اس اصول کے تحت دین میں کوئی کام بھی اپنی طرف سے ایجاد نہیں کیا جاسکتا، ورنہ وہ بدعت کے زمرے میں آئے گا جو سراسر گمراہی ہے۔

مفسر قرآن امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے بڑی عمدہ بات کہی ہے، وہ فرماتے ہیں:

”اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ ہر وہ قول و فعل جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہ ہو، بدعت ہے۔ اگر وہ کار خیر ہوتا تو وہ (صحابہ) ہم سے پہلے یہ کام کرتے کیونکہ وہ کوئی نیک کام نہیں چھوڑتے تھے بلکہ اس میں جلدی کرتے تھے۔“

(تفسیر ابن کثیر: ۵/۵۶۷)

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”لا يستقيم قول إلا بعمل، ولا يستقيم قول وعمل إلا بموافقة السنة.“ (حلیۃ الأولیاء لأبی نعیم الأصبهانی: ۳۲/۷)

”کوئی قول عمل کے بغیر درست نہیں، کوئی قول و عمل نیت کے بغیر درست نہیں اور کوئی قول، عمل اور نیت سنت کی موافقت کے بغیر درست نہیں۔“

درج بالا باتیں موجودہ دور کی تمام بدعات پر منطبق ہوتی ہیں، ان بدعات میں سرفہرست عید میلاد النبی ﷺ ہے اور اب تو لوگوں نے اس کے منانے کے شرعی طریقے دریافت کر لیے ہیں۔ ذیل میں ہم عید میلاد کے متعلق چند گزارشات پیش کریں گے۔

عید میلاد النبی ﷺ:

یہ بات ذہن میں رہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت و تعظیم ہر مومن کے ایمان کا جز و لازم ہے لیکن اس تعظیم کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپ ﷺ کی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر دین میں اپنی طرف سے اضافے کرنا شروع کر دیے جائیں۔ اگر نبی اکرم ﷺ کی تعظیم کے لیے ہم آپ ﷺ کی ہی مخالفت شروع کر دیں گے تو یہ گستاخی و نافرمانی ہوگی۔ والعیاذ باللہ

جو شخص بھی بظن انصاف درج بالا بحث پڑھ لے گا وہ لامحالہ عید میلاد کو بدعت قرار دے گا لیکن اتمام حجت کے لیے درج ذیل باتوں

”یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ اس ہیئت کذاۓ سے یہ عمل خیر و برکت و نعت و رحمت ۶۰۴ھ سے بہ حکم بادشاہ اولی الامر جاری ہے۔“ (انوار آفتاب صداقت، ص: ۳۹۳)

۴: ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے صحابہ رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

”سو وہ ولادت کی خوشی میں جشن مناتے، نہ وصال کے غم میں افسردہ ہوتے۔“ (میلاد النبی ﷺ، ص: ۴۵۴)

معلوم ہوا کہ جشن عید میلاد منانے والوں کے ہاں بھی پہلی چھ صدیوں تک مسلمان اس عید سے نا آشنا تھے۔ جب ایک چیز کا وجود ہی نبی اکرم ﷺ، صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں نہیں تھا تو اس کے دلائل قرآن و سنت سے پیش کرنا رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و اولیاء عظام رضی اللہ عنہم کی سراسر گستاخی ہے کہ قرآن و حدیث میں جشن عید میلاد النبی ﷺ کے دلائل موجود ہونے کے باوجود ان عظیم ہستیوں نے نہ تو خود اس عید میلاد کو منایا اور نہ ہی امت کو اس کی تعلیم دی۔ سوچیں، ایسا کہنے کے بعد آدمی مسلمان کہلوانے کے قابل رہ جاتا ہے؟ بدعت کی یہی تو خرابی ہے کہ بہ ظاہر نیکی کے زعم باطل میں انسان ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

۵:..... آپ ﷺ کی تاریخ ولادت کیا ہے؟ اس میں سخت اختلاف پایا جاتا ہے۔ اگر ۱۲ ربیع الاول کو عید میلاد منانا سلف صالحین کا عمل ہوتا تو تاریخ ولادت میں اس قدر اختلاف نہ ہوتا۔ تاریخ ولادت کے بارے میں ائمہ کرام کی تصریحات ملاحظہ ہوں:

**پہلا قول:**..... آپ ﷺ کی ولادت ۱۲ ربیع الاول کو ہوئی۔ یہ قول علامہ ابن رجب، محمد بن اسحاق، علامہ ابن کثیر، امام ابن حبان رضی اللہ عنہم وغیرہم کا ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ، سیرت ابن ہشام و دیگر کتب)

**دوسرا قول:**..... ۸ ربیع الاول۔ یہ قول علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ (الاستیعاب: ۱/۱۳۷) اور امام مالک رحمہ اللہ (البدایۃ والنہایۃ: ۳/۳۱) وغیرہم کا ہے۔ اسی طرح احمد رضا خان صاحب بریلوی نے بھی ۸ ربیع الاول کو جمہور کی رائے قرار دیا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ: ۲۲/۴۱۲)

پر غور فرمائیں:

۱:..... جشن عید میلاد کا کوئی وجود نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین و تبع تابعین رضی اللہ عنہم کے دور میں نہیں ملتا اور اس بات کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو لوگ عید میلاد منانے میں پیش پیش ہیں۔ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

۲: بریلوی مکتب فکر کے عالم جناب غلام رسول سعیدی صاحب لکھتے ہیں:

”سلف صالحین، یعنی صحابہ اور تابعین نے محافل میلاد نہیں منعقد کیں، بجا ہے۔“ (شرح صحیح مسلم: ۱۷۹/۳)

۳: بریلوی مکتب فکر کے مفتی احمد یار نعیمی صاحب نے علامہ سخاوی سے نقل کیا ہے:

”میلاد شریف تینوں زمانوں میں کسی نے نہ کیا، بعد میں ایجاد ہوا۔“

مزید لکھتے ہیں:

”جس بادشاہ نے پہلے اس کو ایجاد کیا وہ شاہ اربل ہے اور ابن دجیہ نے اس کے لیے میلاد شریف کی ایک کتاب لکھی جس پر بادشاہ نے اس کو ہزار اشرفیاں نذر کیں۔“

(جاء الحق: ۱/۲۳۷)

علامہ سخاوی کی مذکورہ بالا عبارت بریلوی مکتب فکر کے محمد ظفر عطاری صاحب نے اپنی کتاب ”حق پر کون؟“ (ص: ۲۳۳) اور طاہر القادری صاحب نے بھی اپنی کتاب ”میلاد النبی ﷺ“ کے صفحہ نمبر ۳۴۹ میں بھی نقل کی ہے۔

۳: عبد السمیع رام پوری بریلوی لکھتے ہیں:

”یہ سامان فرحت و سرور اور وہ بھی مخصوص مہینے ربیع الاول کے ساتھ اور اس میں خاص وہی بارہواں دن میلاد شریف کا معین کرنا بعد میں ہوا، یعنی چھٹی صدی کے آخر میں۔“

(انوار ساطعہ، ص: ۱۰۹)

قاضی فضل احمد بریلوی لکھتے ہیں:

**تیسرا قول:** ..... ۲ ربیع الاول - یہ قول علامہ جمال الدین مزی کا ہے۔ (تہذیب الکمال: ۳۸/۱)

**چوتھا قول:** ..... ۱۰ ربیع الاول - یہ قول محمد بن سعد نے ابو جعفر محمد بن علی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ (طبقات ابن سعد: ۱۲۱/۱) امام ذہبی رحمہ اللہ کے شیخ ابو محمد الدمیاطی کا بھی یہی قول ہے۔

**پانچواں قول:** ..... ۱۰ محرم - یہ قول شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا ہے۔ (غنیۃ الطالبین: ۳۹۲/۲)

اس کے علاوہ اور بھی مختلف اقوال ہیں جن کا ذکر محض موجب طوالت ہوگا۔ قصہ مختصر یہ کہ اگر نبی اکرم ﷺ کے ولادت کے دن عید منانا سلف میں رائج ہوتا تو تاریخ ولادت میں اس قدر شدید اختلاف نہ ہوتا، جیسا کہ اسلام کی دو عیدوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

✽..... محدثین کرام نے اپنی احادیث کی کتب میں عیدین کے مسائل مستقل باب باندھ کر بیان کیے ہیں لیکن کہیں بھی عید میلاد النبی ﷺ کا تذکرہ تک نہیں ہے۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ یہ عید بعد میں ایجاد کی گئی اور سلف میں اس کا رواج نہیں تھا۔

✽..... میلاد منانے والے یہ ماننے کے باوجود کہ یہ عید میلاد ۶۰۰ سال بعد ایجاد ہوئی، قرآن سے اس کی دلیل پیش کرتے ہیں:

﴿قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ قَبِذْكَ فَلْيَفْرَحُوا﴾

[یونس: ۵۸]

”کہہ دیجیے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کی بنا پر لوگ خوش ہو جائیں۔“

تاکلین عید میلاد اس کا معنی یہ کرتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی مناؤ۔“

حالانکہ ”فرح“ کا معنی خوش ہونا یا خوشی محسوس کرنا ہوتا ہے، نہ کہ خوشی منانا، جیسا کہ صحیح بخاری (رقم الحدیث: ۱۹۱۵) میں ہے کہ جب سورۃ البقرہ کی آیت ۱۸۷ انازل ہوئی تو:

”ففرحوا بہا فرحاً شدیداً۔“

”اس پر صحابہ کرام بہت خوش ہوئے۔“

تو کیا یہاں یہ کہا جائے گا کہ صحابہ کرام رحمہم اللہ نے خوشی منائی اور جلوس نکالا.....!!

دوسری بات یہ کہ اگر اس کا ترجمہ ”خوشی مناؤ“ ہی کرنا ہے تو کیا صحابہ کرام رحمہم اللہ، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ اس آیت کا معنی نہیں سمجھ سکے؟ جب انھوں نے اس آیت سے خوشی منانے اور جلوس نکالنے کا معنی مراد نہیں لیا تو آج ۱۲ صدیاں بعد یہ معنی کیسے درست ہو سکتا ہے؟ پاک و ہند میں جشن عید میلاد النبی ﷺ کا آغاز:

یہاں یہ بات بڑی حیران کن ہے کہ موجودہ دور میں جس طرح ۱۲ ربیع الاول کو یہ جشن بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے، ماضی میں ایسا ہرگز نہ تھا۔ بلکہ ۱۲ ربیع الاول کا دن ۱۲ اوقات کے نام سے جانا جاتا تھا۔ اس کا اعتراف خود قائلین میلاد نے بھی کیا ہے، چند حوالے ملاحظہ فرمائیں:

۱: بریلوی مکتب فکر کے مشہور عالم عبدالکحیم شرف قادری صاحب محمد نور بخش توکلی کے حالات ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”آپ ہی کی مساعی جیلہ سے متحدہ پاک و ہند میں ۱۲ اوقات کی بجائے عید میلاد النبی ﷺ کے نام سے تعطیل ہونا قرار پائی تھی۔“ (تذکرہ اکابر اہل سنت، ص: ۵۵۹)

عبدالکحیم صاحب ایک اور جگہ رقم طراز ہیں:

”۱۲ ربیع الاول شریف کو عام طور پر ۱۲ اوقات کہا جاتا تھا۔ یہ حضرت علامہ توکلی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ گورنمنٹ کے گزٹ میں عید میلاد النبی ﷺ کا نام منظور کروایا اور اس دن کی عام تعطیل منظور کروائی۔“ (عظمتوں کے پاس، ص: ۳۳۷)

۲: آج سے قریباً ایک صدی قبل ”تہذیب نسواں“ کے نام سے ایک اخبار شائع ہوا کرتا تھا جس کے ایڈیٹر سید ممتاز علی صاحب تھے۔ انھوں نے جشن عید میلاد کے حوالے سے جتنے مضامین ۱۹۰۹ء سے ۱۹۳۳ء تک اپنے اس اخبار میں شائع کیے، ۱۹۳۴ء کو وہ سب مضامین یکجا کتابی صورت میں طبع کیے جس کا نام ”سمیل الرشاد“



ونصاری کی طرف رجوع کرنا پڑے۔ امام الانبیاء ﷺ نے تو زندگی کے ہر پہلو میں یہود ونصاری کی مخالفت کا حکم دیا ہے۔ اگر ہم موصوف کی طرح عید میلاد کی روایت نصاریٰ سے لینے پر بضد ہیں تو نبی اکرم ﷺ کی وہ احادیث کہاں جائیں گی جن میں ((من تشبه بقوم فهو منهم)) (مسند أحمد: ۲/۵۰، مصنف ابن أبي شيبة: ۴/۲۱۸، شعب الإيمان للبيهقي: ۲/۷۵) ”جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ انھیں میں شمار ہوگا۔“ کی وعید شدید سنائی گئی ہے۔

اور اس روش کو دیکھ کر نبی ﷺ کی وہ پیش گوئی آج پوری ہوتی دکھائی دیتی ہے، چنانچہ ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لتبعن سنن من كان قبلکم شبرا بشبرا وذراعا بذراع، حتی لو دخلوا جحر ضب لتبعتموهم)) قلنا: یا رسول اللہ! الیہود والنصاری؟ قال: ((فمن؟؟)) (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۷۳۲۰، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۲۶۶۹)

”تم ضرور بہ ضرور اپنے سے پہلوں کے طریقوں پر چلو گے ہاتھ برابر ہاتھ اور بازو برابر بازو۔ یہاں تک کہ ان میں سے اگر کوئی گاوہ کے سوراخ میں داخل ہوا تو تم بھی ان کی پیروی کرو گے۔ ہم (صحابہ) نے پوچھا: اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ یہودی اور عیسائی ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”(اگر یہ نہیں) تو پھر کون ہیں؟“

۳: یہی سید ممتاز علی (ایڈیٹر اخبار ”تہذیب نسواں“) مزید رقم طراز ہیں: ”لیکن ولادت کے باب میں چونکہ اختلاف ہے اور کئی تاریخیں مشہور ہیں، اس لیے عید کی تاریخ ۱۲ ربیع الاول کے سوا کوئی اور تاریخ مقرر کی جائے تو زیادہ مناسب ہوگا کیونکہ ۱۲ ربیع الاول تاریخ وفات مشہور ہے۔ بہتر ہو کہ

رکھا۔ اس کتاب کے شروع میں ان کا دعویٰ ہے:

”منفردہ مجالس کے علاوہ اس بابرکت تہوار (عید میلاد) کو خاص میلاد کی تاریخ پر بہ طور عام قومی جشن کے ”عید میلاد“ کے نام سے منانے کی تحریک سب سے پہلے ۱۹۰۹ء میں خاکسار راقم نے مسلمانوں کے سامنے پیش کی۔“

(سبیل الرشاد، ص: ۱)

اور اس کے پیچھے ان کی کیا نیت کار فرما تھی، وہ بھی پڑھ لیں، فرماتے ہیں:

”آج ۲۵ دسمبر عیسائیوں کا بڑا دن ہے..... لیکن ۲۵ دسمبر کو دن کی چھوٹائی، بڑائی سے کچھ تعلق نہیں یہ وہ دن ہے کہ اس سے پہلے شب کو حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے، یعنی رات کو ولادت ہوئی۔ اگلی صبح ان کی عید مولود قرار پائی۔ عیسائیوں کے لیے، خواہ دیسی ہوں یا یورپین، عزت، حرمت اور عظمت میں اس دن سے بڑھ کر اور کوئی دن نہیں ہے۔ پچھلی رات کے وقت، جو حضرت مسیح علیہ السلام کے پیدا ہونے کا وقت ہے، گرجا میں بڑے زور و شور سے گھنٹے بجتے لگتے ہیں اور مسلمانوں کی سحری کی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ چہل پہل ہو جاتی ہے۔ گھنٹے نہایت خوش آوازی اور شیریں نغمہ کے ساتھ بجتے ہیں۔ باجا بجانے والے بیٹے عیسائیوں کے گھر گھر پھرتے ہیں، اور عیسائیوں کو جگاتے ہیں کہ نجات دینے والا پیدا ہوا ہے۔ اٹھو، گرجا میں جاؤ۔“

کچھ سطروں کے بعد لکھتے ہیں:

”افسوس مسلمان اپنے پیغمبر کے مولود کے دن ایسی خوشیاں نہیں مناتے۔“ (ص: ۳۲)

درج بالا عبارت اپنے مفہوم میں کس قدر واضح ہے کہ عید میلاد کی

بدعت میں تقلید نصاریٰ کا جذبہ کار فرما ہے۔ العیاذ باللہ

قارئین کرام! کیا نبی اکرم ﷺ نے دین حنیف کی تعلیمات میں کسی بھی موڑ پر کوئی کمی چھوڑی ہے جسے پورا کرنے کے لیے یہود

مختلف روایتوں کی تاریخوں میں سے کوئی ایسی تاریخ منتخب کی جائے جو سب سے دور کی تاریخ ہو۔ تاکہ اس کی اطلاع سب بہنوں کو پہنچ جائے۔“ (سبیل الرشاد، ص: ۱۳)

قائلین عید میلاد کی ان عبارتوں سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ رسم میلاد کا موجودہ تصور قریباً ایک صدی قبل یومِ وفات کے طور پر جانا جاتا تھا جسے بعد میں نصاریٰ کی پیروی میں جشنِ میلاد کے نام سے اہل اسلام میں رائج کیا گیا۔ ان تاریخی شواہد سے یہ بات خوب واضح ہو جاتی ہے کہ جشنِ میلاد کا اسلام کی تعلیمات سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

عید میلاد کے بارے میں علماء کے اقوال:

آخر میں بعض ائمہ کے عید میلاد کے حوالے سے اقوال ملاحظہ ہوں:

۱: تاج الدین عمر بن علی فاکہانی (متوفی ۷۳۴ھ) فرماتے ہیں:

”میں اس میلاد کی کوئی دلیل کتاب و سنت میں نہیں پاتا، نہ

ہی اس کا عمل ان علمائے امت سے منقول ہے جو دین میں

ہمارے پیش رو ہیں اور متقدمین کے آثار کو لازم پکڑنے

والے ہیں۔ بلکہ یہ (عید میلاد) ایسی بدعت ہے جسے باطل

پرستوں نے ایجاد کیا ہے اور ایسی نفسانی خواہش ہے جس کا

اہتمام شکم پر روگوں نے کیا ہے۔“ (الحاوی للفتاویٰ

للسیوطی: ۱/ ۱۹۰، ۱۹۱)

۲: علامہ شاطبی رحمہ اللہ (متوفی ۷۹۰ھ) نے بھی عید میلاد النبی ﷺ کو

بدعت قرار دیا ہے۔ (الاعتصام للشاطبی: ۳۹/۱)

۳: شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ-۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

”یہ کام سلف صالحین نے نہیں کیا باوجود اس بات کے کہ اس

کا تقاضا (تعظیم رسول) موجود تھا اور کوئی رکاوٹ بھی نہ تھی۔

اگر یہ کام بالکل خیر والا یا زیادہ خیر والا ہوتا تو اسلاف اس پر

عمل کے حوالے سے ہم سے زیادہ حق دار تھے کیونکہ وہ

رسول اللہ ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کی تعظیم میں ہم سے

بڑھ کر تھے اور وہ نیکی کے زیادہ طلب گار تھے۔“

(إقتضاء الصراط المستقیم، ص: ۲۹۵)

۴: ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے ایک اور عالم علامہ ابن امیر الحاج فرماتے ہیں:

”لوگوں کی ان بدعتوں اور نو ایجاد باتوں میں سے، جن کو وہ

بڑی عبادت سمجھتے ہیں اور جن کے کرنے کو شعائرِ اسلامیہ کا

اظہار کہتے ہیں، ایک مجلس میلاد بھی ہے جس کو وہ ماہِ ربیع

الاوّل میں کرتے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ یہ بہت سی بدعات

اور محرّمات پر مشتمل ہے۔ اور اس مجلس میلاد پر یہ مفاسد اس

صورت میں مرتب ہوتے ہیں جب اس میں سماع ہو۔ سواگر

مجلس میلاد سماع سے پاک بھی ہو اور صرف بہ نیت مولود کھانا

تیار کر لیا ہو اور بھائیوں اور دوستوں کو بلایا جائے اور تمام

مذکورہ بالا مفاسد سے محفوظ ہو، تب بھی وہ صرف اس نیت کی

وجہ سے بدعت ہے اور دین کے اندر ایک جدید امر کا اضافہ

کرنا ہے جو سلف صالحین کے عمل میں نہ تھا، حالانکہ اسلاف

کے نقش قدم پر چلنا اور ان کی پیروی کرنا ہی زیادہ بہتر

ہے۔“ (المدخل لابن الحاج: ۱/ ۸۵)

آخر میں یہ طور نصیحت اللہ رب العزت کا وہ پیغام جو اہل ایمان

کے نام ہے، ملاحظہ فرمائیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ

وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ عِقَابِهِ ۝﴾

[الحجرات: ۱]

”اے ایمان والو! (کسی کام میں) اللہ اور اس کے رسول

سے آگے نہ بڑھو، (بلکہ) اللہ سے ڈر جاؤ، بے شک اللہ

تعالیٰ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں حق بات قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور سنت

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلائے، آمین۔

## فضائل أبي حنيفة وأخباره ومناقبه

لابن أبي العوام

پرايک نظر

مولانا ارشاد الحق اثری

امام شافعی کی جرح اور علامہ عبدالقادر قرشی:

امام ابن عدی نے امام طحاوی سے بد واسطہ مرنی امام شافعی کا یہ قول ذکر کیا ہے:

”یوسف بن خالد السمّی وکان ضعیفا .“

(الکامل: ۷/۲۶۱۶)

”یوسف بن خالد السمّی ضعیف تھا۔“

ان کا یہی قول علامہ ذہبی نے میزان (۴/۲۶۴) میں اور حافظ ابن حجر نے تہذیب (۱۱/۴۱۲) میں نقل کیا ہے۔ بلکہ تہذیب کے حوالے سے یہی کلام شرح معانی الآثار کے مقدمے (ص: ۳۵) میں ”الفائده العاشره في كلام الطحاوي في الجرح والتعديل“ کے تحت بھی مذکور ہے۔ اس کے برعکس علامہ عبدالقادر قرشی نے الجواهر المضیة في طبقات الحنفیہ (۲/۲۲۷) میں حق وفاداری ادا کرتے ہوئے مجال ہے کوئی کلمہ محدثین کا ذکر کیا ہو۔ البتہ وہ قصہ ضرور نقل کیا ہے جو ابن ابی العوام کے حوالے سے اوپر ہم ذکر کر آئے ہیں، پھر امام طحاوی سے بد واسطہ مرنی امام شافعی کا یہ قول ذکر کیا ہے:

”کان یوسف بن خالد رجلا من الخیار .“

”یوسف بن خالد پسندیدہ لوگوں میں سے تھا۔“

اب یہ قول کہاں ہے جس میں اس کی پسندیدگی تو مذکور ہے مگر اس کا ضعیف ہونا مصلحت کی بھیجٹ چڑھ گیا ہے۔ امام بیہقی نے معرفة السنن، باب ”العبد یخرج من دار الحرب مسلما“ (۱۸۵/۷) میں امام شافعی سے یہی قول یوں ذکر کیا ہے:

”کان یوسف بن خالد السمّی رجلا من

الخیار وفي حدیثه ضعف .“

”یوسف بن خالد سمّی پسندیدہ لوگوں میں سے تھا مگر حدیث میں ضعف ہے۔“

بلکہ ابن ابی العوام نے بھی فضائل (ص: ۳۲۸، رقم: ۸۲۸) میں امام شافعی کا یہ مکمل قول بد واسطہ امام طحاوی عن المزنی نقل کیا ہے جس سے علامہ قرشی کی کارستانی بے نقاب ہو جاتی ہے۔ اور اس سے یوسف بن خالد کی بیان کی ہوئی کہانی کی حقیقت کا اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی دیکھیے کہ محمد بن شجاع اور وہ واقدی سے ذکر کرتے ہیں کہ سفیان ثوری مجھے کہتے تھے کہ امام ابو حنیفہ کی کتابیں لاؤ تاکہ میں انھیں دیکھوں۔ (فضائل: ص: ۱۳۸، رقم: ۱۹۰، رقم: ۳۵۸، ۳۵۸) کسی صاحب علم کی کتابوں سے استفادہ معیوب نہیں مگر اس کے لیے لازم ہے کہ اس کا ثبوت موجود ہو۔ محمد بن شجاع الثلجی کا ذکر ”خیر“ پہلے گزرا ہے۔ اس کا استاد محمد بن عمرو واقدی بجائے خود متروک ہے۔ (تقریب: ۳۱۳) گویا یہ قول ”ظلمات بعضہما فوق بعض“ کا مصداق ہے۔

اسی نوعیت کی یہ کہانی بھی ملاحظہ فرمائیں جسے ابن ابی العوام نے اپنی سند سے أبو عصمة نوح بن ابی مریم سے نقل کیا ہے کہ نوح أبو عصمة کہتے ہیں میں ایک روز امام ابو حنیفہ کے پاس تھا کہ ایک آدمی نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا کہ ایک آدمی پانی سے صاف برتن میں وضو کرتا ہے، کیا دوسرا آدمی اس پانی سے وضو کر سکتا

اطمینان ہوگا، حدیث کا کوئی طالب علم اس پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ بالکل اسی نوعیت کی کہانی ابن عبدالبر نے الانتقاء (ص: ۲۶۹) میں علی بن مسہر سے نقل کی ہے مگر ابن مسہر اسے بیان کرنے والا تکی بن عبد الحمید الحماني ہے جو سرفہ حدیث سے متہم ہے۔

(تقریب، ص: ۳۷۷)

ثانیاً: ماء مستعمل کے بارے میں نجس ہونے کا قول کیا فی الواقع امام ابو حنیفہ کا ہے؟ علامہ عینی نے تو صاف لکھا ہے:

”لم یصح عن أبي حنیفة تنجیس الماء المستعمل.“ (عمدة القاری: ۷۹ / ۳)  
 ”امام ابو حنیفہ سے ماء مستعمل کے نجس ہونے کا قول صحیح نہیں۔“

اس سے قبل انھوں نے اس بارے میں امام صاحب کے مختلف تین قول ذکر کیے ہیں:

- ۱: ماء مستعمل نجس مخفف ہے۔
- ۲: نجس مغلط ہے۔
- ۳: طاہر ہے طہور نہیں۔

اسی تیسرے قول کے بارے میں انھوں نے نقل کیا ہے:

”یہی قول صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ ”ما وراء النہر“ کے محققین کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ امام محمد اور زفر وغیرہ کا بھی یہی قول ہے بلکہ عبد الحمید قاضی سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ امام صاحب سے ماء مستعمل کے نجس ہونے کا قول ثابت نہیں۔ (عمدة: ۷۳ / ۳ نیز البانیہ: ۱ / ۳۹۹)

ثالثاً: ماء مستعمل وہی نہیں جو برتن میں بچے یا برتن میں گرے بلکہ ان کے نزدیک وہ بھی ماء مستعمل ہے جو اعضائے وضو سے جدا ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک اعضائے وضو سے گرنے والے قطروں سے نہ سر کا مسح ہو سکتا ہے نہ اس سے موزوں پر مسح ہو سکتا ہے، نہ ہی کوئی دوسرا اُس سے وضو کر سکتا ہے۔ (البانیہ: ۲۰۴ / ۱ وغیرہ)

جب کہ امام سفیان اسے تو ماء مستعمل سمجھتے ہیں جو اعضائے وضو سے گر کر جمع ہو۔ اور جو پانی اعضائے وضو کے ساتھ ہے اسی سے ہاتھ

ہے؟ امام صاحب نے فرمایا: نہیں کیونکہ یہ پانی استعمال شدہ ہے۔ نوح کہتے ہیں: میں سفیان ثوری کے پاس گیا، ان سے یہی مسئلہ پوچھا تو انھوں نے کہا: مستعمل پانی سے وضو کر سکتا ہے۔ میں نے انھیں کہا کہ امام ابو حنیفہ تو کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں کیونکہ یہ مستعمل پانی ہے۔ نوح کہتے ہیں: اس کے بعد ایک جمعہ نہیں گزرا تھا کہ میں امام سفیان کے پاس بیٹھا تھا۔ ایک آدمی نے ان سے یہی مسئلہ دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا: اس سے وضو جائز نہیں کیونکہ وہ پانی مستعمل ہے۔

(فضائل، ص: ۲۱۷، رقم: ۴۳۷)

گویا امام سفیان ثوری کو اس پانی کے مستعمل ہونے کا علم امام ابو حنیفہ کے فتوے سے ہوا۔

اولاً: یہاں یہ دیکھیے کہ ابن ابی العوام نے جو سند اس قصے کی ذکر کی ہے وہ مجہول اور غیر معروف راویوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ نوح بن ابی مریم جو اس کا اصل کردار ہے اس کا حال یہ ہے کہ امام ابن معین نے فرمایا ہے: لیس بشیء، ولا یکتب حدیثہ۔ امام ابن مبارک فرماتے ہیں: وہ اسی طرح احادیث وضع کرتا تھا جیسے معلی بن ہلال وضع کرتا تھا۔ امام ابو حاتم، مسلم، الساجی، دولاہی اور دارقطنی نے کہا ہے: وہ ”متروک“ ہے۔ امام بخاری اور ابواحمد حاکم نے ”ذاهب الحدیث“، امام نسائی نے ”لیس بثقة“، ولا یکتب حدیثہ“ کہا ہے۔ ابن حبان اور امام حاکم کہتے ہیں: اس نے صدق (سچ) کے علاوہ بہت کچھ جمع کیا ہے۔ ابوعلی نیشاپوری نے کہا ہے: وہ ”کذاب“ ہے۔ ابوسعید النقاش کہتے ہیں: وہ موضوعات بیان کرتا ہے۔ حافظ خلیلی نے کہا ہے: اس کے ضعف پر اجماع ہے۔

(تہذیب: ۱۰ / ۴۸۷)

حافظ ابن حجر کا فیصلہ ہے کہ متعدد علوم کا جامع ہونے کے ناطے اس کا لقب ”جامع“ ہے مگر محدثین نے حدیث میں اسے جھوٹا کہا ہے اور امام ابن مبارک نے کہا ہے: وہ حدیث گھڑتا تھا۔

(تقریب، ص: ۳۶۰)

اس قماش کے راوی کی بیان کی گئی حکایت پر اس کے کسی ہم نوا کو تو

کے ہی ہو رہے۔ اور کہا: میں نے ان جیسا کوئی نہیں دیکھا۔  
غور فرمایا آپ نے کہ قاسم بن معن سے بات کرنے والے کا نام  
نہیں، پھر وہ امام صاحب کی مجلس میں شریک ہوا اور ان کا مداح بن  
گیا۔ مگر محمد بن شجاع جیسے ”کذاب“ نے اسے امام سفیان کی طرف  
منسوب کر کے کہانی کا رخ ہی بدل دیا۔

شیخ لطیف الرحمان صاحب نے اسی کے حاشیے میں ”المناقب“  
للصمیری (ص: ۵۴، ۶۵، ۶۶) اور تاریخ بغداد (۳۴۲/۱۳) سے  
ان دونوں بزرگوں کے مابین اسی نوعیت کے مزید کچھ واقعات نقل  
کیے ہیں مگر وہ سب احمد بن محمد بن صلت بن مفلس الحماني جیسے  
”کذاب“ کے واسطے سے ہیں۔ اسی ابن مفلس نے سب سے پہلے  
امام صاحب کے مناقب میں کتاب لکھی جس کے بارے میں امام  
دارقطنی نے کہا ہے:

”مناقب أبي حنيفة موضوعة كلها، وضعها  
أحمد بن المفلس الحماني.“ (لسان: ۱/ ۲۷۱)  
”امام ابوحنیفہ کے مناقب سب بناوٹی ہیں، انھیں احمد بن  
مفلس الحماني نے گھڑا ہے۔“

ابن عدی نے تو کہا ہے: میں نے جھوٹوں میں اس سے بڑا بے حیا  
اور کوئی نہیں دیکھا۔ یہ وراقین کے پاس جاتا، ان سے کتابوں کا بندل  
لیتا، ان میں جن راویوں کا نام ہوتا ان سے روایات بیان کر دیتا اور  
اس کی بھی پروا نہ کرتا کہ وہ کب فوت ہوا ہے اور کیا اس کے، یعنی راوی  
کے، پیدا ہونے سے پہلے فوت ہو گیا ہے یا نہیں۔ امام ابن حبان نے  
کہا ہے: میں نے دیکھا کہ وہ یہ اور یہ احادیث بیان کرتا ہے (ان  
احادیث کا انھوں نے ذکر بھی کیا ہے) تو میں نے سمجھ لیا کہ یہ حدیثیں  
گھڑتا ہے اور وہ ایسی جماعت سے روایت کرتا ہے جن کے بارے  
میں میرا خیال ہے اس نے انھیں دیکھا ہی نہیں۔ امام ابو نعیم نے کہا  
ہے: اس نے امام ثعنی، مسدد، اسماعیل بن ابی اویس اور بشر بن ولید  
سے احادیث روایت کی ہیں جنھیں اس نے خود گھڑا ہے، اس لیے اس  
نے ان مشائخ سے ملاقات کے جھوٹے دعوے کے علاوہ متون

مل کر سر کا مسح کرنا اور اعضائے وضو سے اگر کوئی حصہ خشک رہ گیا تو وہ  
حصہ اسی سے ترک لینا جائز سمجھتے ہیں۔ (التمهيد: ۱/ ۴۳،  
الأوسط: ۱/ ۲۸۶، البناء: ۱/ ۴۰۵ وغیرہ)

اس لیے ماء مستعمل کے بارے میں ان کا قول علی الاطلاق امام  
صاحب کے موقف کے مطابق نہیں۔ مگر ابن ابی العوام کی مجہول السند  
روایت، جسے وہ نوح ابو عصمہ جیسے ”کذاب“ سے بیان کرتے ہیں،  
سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ماء مستعمل کے بارے میں امام سفیان امام  
صاحب کے ہمنوا ہی نہیں بلکہ انھیں اس کے ناقابل طہارت ہونے کا  
علم بھی ان کے قول سے ہوا۔

امام ابوحنیفہ اور امام سفیان کے مابین منافرت کی ایک اور کہانی  
ابن ابی العوام نے بہ واسطہ محمد بن شجاع الشلجی عن علی بن صالح،  
قاسم بن معن سے یوں بیان کی ہے کہ امام سفیان نے کئی بار مجھے امام  
ابوحنیفہ کے پاس جانے پر ڈانٹا۔ میں نے ایک روز ان سے کہا: آپ کو  
اُن پر کیا اعتراض ہے؟ تو وہ خاموش ہو گئے، نہیں جان رہے تھے کہ کیا  
کہیں۔ پھر انھوں نے کہا: عبد اللہ بن مسعود کی اولاد میں سے تم جیسا  
آدمی غلام کے پاس آتا جاتا ہے۔ (فضائل، ص: ۴۳، رقم: ۷)

اندازہ کیجیے کہ اس میں محمد بن شجاع جیسے ”کذاب“ نے کتنے  
بھونڈے انداز میں یہ تاثر دیا ہے کہ امام سفیان امام ابوحنیفہ کے بارے  
میں کسی دلیل کی بنا پر نہیں محض تعصب کی بنا پر اختلاف رکھتے تھے اور  
نسبی برتری کی بنا پر قاسم بن معن کو امام صاحب کے پاس جانے سے  
روکتے تھے۔

اسی نوعیت کا ایک قصہ علامہ ابن عبد البر نے الانقاء (ص: ۲۰۸)  
میں نقل کیا ہے۔ جسے شیخ لطیف الرحمان صاحب نے فضائل (ص:  
۴۱) کے حاشیے میں بھی نقل کیا ہے کہ قاسم بن معن سے کہا گیا کہ آپ  
عبد اللہ بن مسعود کی اولاد سے ہیں، آپ پسند کرتے ہیں کہ ابوحنیفہ  
کے بچوں میں آپ کا شمار ہونے لگے؟ انھوں نے فرمایا: لوگ ابوحنیفہ  
کی مجلس سے بڑھ کر کسی فقیہ کی مجلس میں نہیں بیٹھے، آپ میرے ہمراہ  
چلیں۔ وہ ان کے ساتھ امام صاحب کی مجلس میں شریک ہوئے تو ان



احادیث وضع کیے ہیں۔ امام محمد بن احمد بن ابی الفوارس نے کہا ہے: وہ احادیث گھڑتا تھا۔ خطیب بغدادی نے کہا ہے: وہ امام ابو نعیم فضل بن دکین وغیرہ سے روایت کرتا ہے جو اکثر باطل ہیں، اسی نے انھیں گھڑا ہے۔ اور بشر بن حارث، یحییٰ بن معین، علی بن مدینی کے نام سے امام ابو حنیفہ کے مناقب گھڑے ہیں۔ عبد الباقی بن قانع (جن کا شمار ائمہ حنفیہ میں ہوتا ہے اور وہ ابن مفلح کے معاصر بھی ہیں) نے بھی کہا ہے: ”لیس بثقة“۔ حافظ ذہبی نے المغنی (۵۵/۱) میں ”یضع الحديث“ اور دیوان (ص: ۴) میں ”وضاع“ قرار دیا ہے۔ علامہ حلبی اور ابن عراق نے بھی اسے وضاعین میں شمار کیا ہے۔ (المجروحین: ۱/۱۵۳، الکامل: ۱/۲۰۲، ضعفاء أبي نعیم، ص: ۶۵، المدخل إلى الصحيح: ۱/۱۷۰، تاریخ بغداد: ۵/۳۳، میزان: ۱/۱۴۰، لسان: ۱/۲۷۰، الكشف الحثیث، ص: ۷۰، تنزیہ الشریعة: ۱/۳۳)

ہمیں علم ہے کہ علامہ کوثری نے حسب عادت ابن مفلح کے دفاع کی کوشش کی ہے مگر علامہ معلیٰ نے التلکیل (۱۷۰/۱، ۱۹۸) میں ان کی تلیسبات کو تشنہ از بام کر دیا ہے۔ اسی احمد بن محمد بن صلت کے واسطے سے شیخ الصمیری نے اکثر و بیشتر روایات ”أخبار أبي حنیفة وأصحابه“ میں جمع کی ہیں۔ شیخ الصمیری حسین بن علی خود ثقہ ہیں مگر اس کتاب میں اکثر بھرتی اسی ”کذاب“ کے واسطے سے ہے، اس لیے ان کذابین و مجاہیل نے ان دونوں بزرگوں کے بارے میں جو کچھ کہا ہے وہ محض خانہ ساز ہے۔

امام محمد شیبانی اور ایک قول:

اپنے امام اور ان کے حلقہ احباب کو بڑھانے کی خاطر متعدد مبالغہ آمیز باتیں ابن ابی العوام نے ذکر کی ہیں، چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ کے بارے میں امام دولابی سے نقل کرتے ہیں اور وہ بھی یوں: میں نے ابو بشر سے سنا وہ حکایت کرتے تھے کہ امام مالک رحمہ اللہ کے پاس اصحاب الحدیث جمع تھے کہ انھوں نے فرمایا: مشرق کی جانب سے ہمارے پاس کوئی ایسا نہیں آیا جس سے کوئی فائدہ حاصل ہو۔ اس

جماعت میں محمد بن حسن بھی تھے۔ امام مالک رحمہ اللہ کی نگاہ ان پر پڑی تو فرمایا: سوائے اس نوجوان کے۔

(فضائل لابن أبي العوام، ص: ۳۶۴، رقم: ۸۷۱)

ابن ابی العوام کے علاوہ اس کا سلسلہ سند مجہول ہے۔ علامہ کوثری نے یہی قول ابن ابی العوام سے بلوغ الأمانی فی سیرة الإمام محمد بن الحسن الشیبانی (ص: ۱۹۰) میں ”بعض كلمات أهل العلم في الثناء على محمد بن الحسن“ کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے مگر حسب عادت اس کی سند کے بارے میں یہ کہہ کر ”ذكر ابن أبي العوام الحافظ بسنده أن مالك بن أنس ..... إلخ“ یہ غلط تاثر دیا ہے کہ یہ قول ابن ابی العوام نے اپنی سند سے ذکر کیا ہے۔ جب کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ابن ابی العوام نے اسے جناب دولابی سے نقل کیا ہے جو بذات خود متعصب اہل الرائے میں شمار ہوتے ہیں۔

(لسان: ۵/۴۲، میزان: ۳/۴۵۹ وغیرہما)

اور انھوں نے امام مالک تک کوئی سند ذکر نہیں کی۔ مگر علامہ کوثری کے ہاتھ کی صفائی دیکھیے کہ وہ اسے باسند باور کر رہے ہیں۔

اس کے علاوہ اس پر بھی غور فرمائیے کہ کیا اس میں امام ابو حنیفہ کی بھی تنقیص کا پہلو نہیں؟ اسی ابن ابی العوام (ص: ۱۰۳، رقم: ۱۵۵) نے امام مالک اور امام ابو حنیفہ کے مابین شب بھر مذاکرے کا ذکر کیا ہے تو کیا مشرق سے امام ابو حنیفہ نہیں آئے تھے؟

مذاکرے کی یہ روایت سنداً صحیح نہیں لیکن دونوں بزرگوں کی باہم ملاقات ایک مسلم حقیقت ہے بلکہ امام مالک کی مجلس میں امام ابو حنیفہ کا مؤدب ہو کر بیٹھنا بھی منقول ہے۔ اور یہ بھی بالکل عیاں ہے کہ امام ابو حنیفہ کی وفات کے عرصہ بعد ہی امام محمد مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تھے۔ جب حقیقت واقعی یہ ہے تو اس کا نتیجہ یہ بھی کہ امام مالک کی نگاہ میں امام ابو حنیفہ نہیں بلکہ امام محمد کی وقعت تھی۔ قاضی ابو یوسف بھی مشرق سے مدینہ طیبہ آئے، امام مالک سے ملے تو وہ بھی گویا کوئی سودمند نہ تھے۔ امام عبداللہ بن مبارک امام سفیان ثوری وغیرہما بھی مشرق سے

مالک زیادہ حاضر دماغ اور ہوشیار ہیں یا محمد بن حسن؟ تو تنگی بن صالح نے کہا: محمد بن حسن سوئے ہوئے زیادہ ہوشیار ہیں امام مالک کے جاگتے ہونے سے۔“ (فضائل لابن أبي

العوام، ص: ۳۵۲، ۳۵۳، رقم: ۸۴۴)

امام مالک کو نیچا دکھانے کی یہ سعی نامشکور بھی ابن ابی العوام نے ذکر کی ہے اور اسی کے حوالے سے اس کو علامہ کوثری نے بھی ”بلوغ الأمانی“ (ص: ۱۵۸) میں ذکر کیا ہے۔ حالانکہ ابن ابی العوام کے علاوہ اس کا راوی محمد بن سنان الشیرازی ہے جس کے بارے میں حافظ ذہبی نے کہا ہے:

”صاحب مناكير يتأني فيه .“

(ميزان: ۵۷۵ / ۳، لسان: ۱۹۳ / ۵)

”یہ صاحب مناكير ہے، اس میں توقف کیا جائے گا۔“ اسی نوعیت کا ایک قول خطیب بغدادی نے تنگی بن صالح الوحاضی سے نقل کیا ہے، اس میں یہ رنگ آمیزی نہیں جو ابن ابی العوام کی نقل میں ہے، خطیب کے الفاظ ہیں:

”محمد بن الحسن فيما يأخذ لنفسه أفقه من

مالك.“ (تاریخ بغداد: ۱۷۵ / ۲)

”امام محمد بن حسن اپنی رائے میں امام مالک سے زیادہ فقیہ ہیں۔“

اور یہ خلاف واقعہ نہیں۔ امام محمد اہل الرائے میں سے ہیں اور امام اہل الرائے ابوحنیفہ کے تلمیذ ہیں۔ اس لیے رائے کے حوالے سے تنگی بن صالح کا یہ تبصرہ من وجہ درست ہے۔

بلکہ تنگی بن صالح خود اصحاب الرائے میں سے تھے۔ علامہ عبدالقادر قرشی نے انھیں طبقات حنفیہ میں ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے بھی لکھا ہے:

”صدوق من أهل الرأي.“ (تقریب، ص: ۳۷۲)

امام وکیع نے ان کے اسی میلان کے تناظر میں انھیں کہا تھا: رائے سے بچو، میں نے امام ابوحنیفہ سے سنا، فرماتے تھے: مسجد میں پیشاب

آئے تھے، امام مالک سے ملے تھے۔ علامہ کوثری اور ان کے ہم نواؤں کی نگاہ میں اگر وہ نہیں جچتے تو کیا ابن ابی العوام کی اس ”روایت“ کی بنا پر امام ابوحنیفہ اور قاضی ابو یوسف بھی امام محمد سے علم و فضل میں کم تر ہیں؟

جب کہ اسی ابن ابی العوام کی کتاب ”فضائل“ (ص: ۲۶۸، رقم: ۵۸۰) میں ہے کہ امام ابن مبارک نے امام ابوحنیفہ سے پوچھا کہ آدمی اپنی زکاۃ دوسرے شہر منتقل کر سکتا ہے؟ انھوں نے فرمایا: اپنے رشتہ داروں کے لیے دوسرے شہر میں زکاۃ بھیج سکتا ہے۔ امام محمد فرماتے ہیں: ہمیں اس مسئلے کا علم نہ تھا۔ امام عبداللہ بن مبارک کے توسط سے اس کا علم ہوا۔

اسی فضائل (ص: ۲۷۴، رقم: ۶۰۳) میں امام معتمر بن سلیمان سے منقول ہے کہ عبداللہ بن مبارک ”أفقه العرب“ ہیں۔ حافظ ذہبی نے ذکر کیا ہے کہ تنگی بن صالح لیشی کہتے ہیں کہ ہم امام مالک کے پاس تھے کہ امام ابن مبارک آئے تو امام مالک نے احتراماً ان کے لیے جگہ چھوڑی، پھر انھیں اپنے پاس بٹھایا۔ میں نے نہیں دیکھا کہ امام مالک نے یوں کسی کے لیے احتراماً جگہ چھوڑی ہو۔ قاری امام مالک پر (حدیث کی) قراءت کر رہا تھا تو بسا اوقات امام مالک امام ابن مبارک سے پوچھتے: اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے اور اس بارے میں آپ کے پاس کیا علم ہے؟ امام ابن مبارک جواب دیتے۔ مجلس درخواست ہونے پر امام مالک نے فرمایا:

”هذا ابن مبارك فقيه خراسان.“ (السير: ۱۸)

۴۲۰، ترتیب المدارک: ۳۰۲ / ۱)

”یہ ابن مبارک خراسان کے فقیہ ہیں۔“

یہاں امام عبداللہ بن مبارک کے مناقب کا تذکرہ مقصود نہیں بلکہ اس کا محض اشارہ مطلوب ہے جس سے آپ ابن ابی العوام کی اس بے سند حکایت کی حیثیت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

اسی نوعیت کی یہ جسارت بھی ملاحظہ فرمائیں:

”تنگی بن اکثم نے بھی صالح الوحاضی سے کہا کہ امام

نے امام محمد سے کہا: میں آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں قرآن کو زیادہ جاننے والے آپ کے صاحب (یعنی استاد امام ابوحنیفہ) ہیں یا ہمارے صاحب (یعنی امام مالک)؟ امام محمد نے کہا: آپ کے صاحب۔ امام شافعی نے فرمایا: سنت کو دونوں میں کون زیادہ جاننے والا ہے؟ امام محمد نے کہا: آپ کے صاحب۔ امام شافعی نے فرمایا: اقوال صحابہ کو دونوں میں سے کون زیادہ جاننے والا ہے؟ امام محمد نے فرمایا: آپ کے صاحب۔ امام شافعی نے فرمایا: باقی رہا قیاس تو وہ انھی امور پر ہوتا ہے، جو اصول قیاس نہیں جانتا وہ کس پر قیاس کرے گا۔

(تقدمة الجرح والتعديل، ص: ۴، ۱۲)

تکنی بن صالح کی نسبت امام محمد کا یہ فیصلہ بہر نوع مقدم ہے اور فقہ اہل الحدیث کے تناظر میں ہے، رائے اور استحسان کے تناظر میں نہیں۔ ابن ابی العوام کی کتاب ”فضائل“ میں امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے مابین اسی قسم کے بعض مبالغہ آمیز واقعات ہیں جن کا ذکر ہم اپنے مقالہ ”کتاب الآثار کیا پہلی صحیح کتاب ہے“ کے ضمن میں کر آئے ہیں۔ ان کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں۔ (جاری ہے)

ان کے بعض قیاس سے بہتر ہے۔ مکہ مکرمہ جاتے ہوئے یہ امام محمد کے ہم نشین تھے۔ (تہذیب: ۲۳۰/۱۱ وغیرہ)

اس لیے اگر انھوں نے امام محمد کی فقہ کے حوالے سے بات کی ہے تو وہ فقہ اہل الرائے کے تناظر میں ہے۔ فقہ اہل الحدیث کے حوالے سے قطعاً نہیں۔ تکنی بن صالح تو کیا، خود امام محمد کا بیان ابن ابی العوام (فضائل، ص: ۳۶۳) نے ذکر کیا ہے کہ میں امام مالک کے ہاں تین سال ٹھہرا ہوں۔ میں نے ان سے سات سو سے اوپر احادیث سنی ہیں۔ اور امام محمد جب امام مالک سے روایت کرتے تو لوگ اتنی کثرت سے آتے کہ جگہ تنگ پڑ جاتی۔ اور جب امام مالک کے علاوہ کسی اور سے روایت کرتے تو چند لوگ ہی آتے اور امام محمد ان پر نکیر فرماتے کہ میں جب امام مالک سے روایت کرتا ہوں تو تم جگہ بھر دیتے ہو اور جب تمہارے اصحاب سے روایت کرتا ہوں تو کراہت سے آتے ہو۔ امام محمد کا یہ قول امام عبدالرحمن بن ابی حاتم نے تقدمہ الجرح والتعديل (ص: ۴) اور خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ (۱۷۳/۲) میں بھی ذکر کیا ہے۔

یہی نہیں بلکہ امام ابن ابی حاتم نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ امام شافعی

### میاں عبدالستار آزاد (سرگودھا) کی رحلت

جماعت اہل حدیث کی بزرگ شخصیت محترم میاں عبدالستار آزاد طویل علالت کے بعد مورخہ ۱۳ جنوری ۲۰۱۳ء بروز ہفتہ وفات پا گئے، ان اللہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم سرگودھا کی معروف کاروباری، سیاسی، سماجی اور دینی شخصیت تھے۔ جماعت اہل حدیث کے اکابرین کے ساتھ ان کی بڑی محبتیں اور شفقتیں تھیں۔ ۱۹۵۳ء اور ۱۹۷۷ء کی تحریک ختم نبوت میں انھوں نے کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ نیشنل اسمبلی میں ۱۹۷۷ء کو جب قادیانیوں کے مسئلے پر بحث ہو رہی تھی تو مرحوم میاں عبدالستار آزاد کی لائبریری سے مرزا قادیانی کی اصل کتب حاصل کی گئی تھیں۔ بعد ازاں یہ اقلیت قرار پائے تھے۔ مرحوم مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے الیکشن کمشنر بھی مقرر ہوا کرتے تھے۔ مرحوم کی نماز جنازہ سرگودھا میں ادا کی گئی۔ شیخ الحدیث حافظ مسعود عالم رحمہ اللہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جنازے میں حضرت مولانا ارشاد الحق اثری، حافظ عبدالغفار روپڑی، مولانا سعید احمد چنیوٹی، میاں محمد جمیل، اساتذہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے علاوہ کثیر احباب جماعت، علماء، سیاسی و سماجی کارکنان اور شہر سرگودھا کے عوام و خواص جنازے میں شامل ہوئے۔ اللہ کریم سے دعا ہے کہ مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے۔ بشری لغزشیں معاف فرما کر جنت الفردوس عطا کرے۔ (محمد سلیم چنیوٹی)

### ضرورت رشتہ

بیٹا اہل حدیث، ۳۵ سالہ کنوارا، باریش، قد چھ فٹ، گربجواہٹ، پرائیویٹ ملازم (مختصر فیملی) کے لیے مذہبی رجحان کی پڑھی لکھی (لوئر مڈل کلاس) اہل حدیث فیملی کے والدین رابطہ کریں۔ رابطہ نمبر: 0331-4865272

دبستانِ نذیریہ کے گل سرسبد

## مولانا عبدالحق محدث ملتانی رحمہ اللہ

ریاض احمد عاقب اثری

محدث ملتانی کے عقائد و نظریات:

۱: اسماء و صفات کے بارے میں عقیدہ:..... اللہ عزوجل کے اسماء و صفات کے بارے میں محدث ملتانی کا وہی عقیدہ تھا جو سلف صالحین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا کہ اس کے اسماء و صفات کو بغیر تمثیل، تشبیہ، کیفیت، تعطیل اور تاویل کے ثابت کیا جائے۔ وہ بدعتی اور گمراہ فرقوں کا رد کیا کرتے تھے۔ جن دنوں مولوی محمد یار گڑھوی نے توحید باری تعالیٰ اور صفات الہی کے خلاف اپنے باطل عقائد و نظریات کا پرچار کیا تو مولانا عبدالحق ملتانی رحمہ اللہ نے اس کا منہ توڑ جواب دیا اور ثابت کیا کہ اللہ وحدہ لا شریک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ عالم الغیب رب کی صفت ہے، یہ کسی بھی مخلوق کے لیے وارد نہیں ہوئی اور وہ اپنے علم کے اعتبار سے حاضر و ناظر ہے اور ذات کے اعتبار سے عرش پر مستوی ہے اور اپنی مخلوق سے بائن ہے۔ محدث ملتانی رحمہ اللہ وحدت الوجودیوں اور حلوئیوں کا خوب رد کرتے تھے۔

ب: عقیدہ وحدت ادیان:..... بعض ایسے بھی لوگ ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ تمام مذاہب عالم برحق ہیں۔ وہ ان کی تصویب کرتے ہیں اور ان کے ساتھ ہر رسوم و رواج میں شرکت بھی کرتے ہیں۔ عصر حاضر میں یہ تصور بڑا زور پکڑ رہا ہے اور مغرب اس پر بڑی دولت خرچ کر رہا ہے۔ مولانا عبدالحق محدث ملتانی نے فتویٰ دیا ہے کہ جو شخص ادیانِ باطلہ کفریہ کی صراحتاً تصویب کرے اور ان کے ساتھ ان کے معابد، گرجا گھروں میں شامل ہو تو وہ بافتاقِ اہل علم کافر ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ: ۱۹/۱)

الولاء والبراء کا بھی یہی تقاضا ہے کہ ادیانِ باطلہ کے ساتھ براءت

کا اظہار کیا جائے۔ ان کی رسوم و رواج کے موقع پر ان کے ساتھ اظہارِ محبت کرنا اور ان کی محافل میں شرکت کرنا بالکل ناجائز ہے۔ اہل اسلام کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

ج: اہل بدعت و مشرک کے پیچھے نماز کا مسئلہ:..... محدث ملتانی رحمہ اللہ مشرک اور مبتدع ببدعة مکفرہ کے پیچھے نماز پڑھنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ موصوف نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ بعض مقلدین کی تقلید مفضیٰ الی الشریک (شرک تک پہنچانے والی) ہوتی ہے، سو ایسے مقلدین کے پیچھے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

”تقلید مفضیٰ الی الشریک یہ ہے کہ ایک خاص مجتہد کی اس طرح تقلید کی جائے کہ جب کوئی صحیح حدیث غیر منسوخ اپنے مذہب کے خلاف پائے تو اس کو قبول نہ کرے اور یہ سمجھے کہ ہمارے امام سے خطا اور غلطی کا صدور ناممکن ہے اور اس کا ہر قول حق اور صواب ہے اور وہ اپنے دل میں یہ بات جمارکتا ہے کہ ہم اپنے امام کی تقلید ہرگز نہیں چھوڑیں گے، اگر ہمارے مذہب کے خلاف قرآن و حدیث سے دلیل قائم ہو جائے۔ جس مقلد کی ایسی تقلید ہو وہ مشرک ہے۔ مقلد مشرک کے پیچھے غیر مقلد کی نماز نہیں ہوتی۔“

(فتاویٰ نذیریہ: ۱۶۹/۱)

اس کے علاوہ مولانا عبدالحق ملتانی رحمہ اللہ فروعی مسائل میں مضبوط موقف رکھتے تھے، مثلاً: خلف الامام سورۃ فاتحہ کی فرضیت کے بارے ایک جگہ لکھا ہے:

”بغیر سورت فاتحہ کے رکعت پوری نہیں ہوتی۔ ہر رکعت میں

سورت فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔“ (فتاویٰ نذیریہ: ۱/۳۹۸، ۳۹۹)  
علمائے کرام کے تاثرات:

عرصہ چالیس سال دین اسلام اور مسلک قرآن و سنت کی خدمت کرنے والے اس جلیل القدر عالم دین کے بارے علمائے کرام کے تاثرات ملاحظہ فرمائیں۔

اپریل ۱۹۵۴ء کو مرکزی جمعیت اہل حدیث (مغربی پاکستان) کے جلسے میں خطبہ استقبالیہ دیتے ہوئے مولانا محمد اسحاق چیمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:

”مولانا عبدالحق محدث ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد مرحوم کے لگائے ہوئے شجر توحید کی آبیاری میں اپنی عمر صرف کردی۔ ۱۹۰۲ء سے ۱۹۴۵ء تک تبلیغ و اشاعت دین سے منہمک رہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے زبان اور قلم کی بہترین قوتیں عطا فرمائی تھیں۔ ایک طرف آپ ایسے سحر بیان خطیب، بہترین مقرر، مفسر قرآن اور ماہر تدریس تھے کہ اپنے اور پرائے آپ کی جادو بیانی کے معترف تھے۔ دوسری طرف ان کے قلم میں وہ زور تھا کہ ان کے تحریر کردہ فتاویٰ کسی بھی مسئلے میں حرف آخر کی حیثیت رکھتے تھے۔ زمانہ طالب علمی میں ان کے تحریر کردہ فتاویٰ جات ”فتاویٰ نذیریہ“ کی دونوں جلدوں کے صفحات میں موجود ہیں۔ ان کو معارف قرآنیہ کے بیان اور احادیث نبویہ کی وضاحت میں قدرت کی طرف سے بے مثال ملکہ تفویض ہوا تھا۔“

(ہفت روزہ اہل حدیث، جلد: ۵، شمارہ: ۱۹۳۶/۱۹۳۷ اپریل ۱۹۵۴ء)

آپ کے بارے شیخ عبدالرشید صدیقی رقم طراز ہیں:

”حضرت مولانا عبدالحق صاحب محدث ملتانی رحمۃ اللہ علیہ وہ تبحر علمی شخصیت تھی کہ جن کو شیخ العرب والجم مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ان ارشد تلامذہ میں ایک ایسے معروف شاگرد ہونے کا شرف حاصل تھا کہ جن کے بہت سے مکتوبہ فتاویٰ ”فتاویٰ نذیریہ“ میں حضرت میاں

صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصدیق کے ساتھ درج ہیں اور آج تک اپنے رفقاء کی صف اولین میں ہونے کی وجہ سے پاک و ہند میں شہرہ آفاق ہیں۔ آپ قرآن مجید کی ۲۶، ۲۷ تفسیر کا مطالعہ کر کے ہر جمعہ کو ربط آیات سے فجوائے ”القرآن یفسر بعضہ بعضاً“ ۴ یا ۵ صفحات کا غدر پرنوٹ لکھ لایا کرتے تھے اور جن کو قرآن مجید میں سے جو آیت زیر تدریس آتی تھی اس کی تائید میں بیان کرتے تھے اور ان کی تائید میں احادیث شریفہ کا ذخیرہ بھی شامل ہوتا تھا۔ حضرت موصوف اس وقت ملتان اور علاقہ بھر میں اُن چوٹی کے علماء میں شمار ہوتے تھے جن کی کتابوں پر نظر، تفسیر اور احادیث رسول کریم علیہ الصلاۃ والسلام نیز حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ کی فقہی کتب پر بہت عبور حاصل تھا۔ انجمن اہل حدیث (ملتان) کے صدر کی حیثیت سے حضرت مولانا نے اپنی علمی خداداد صلاحیت سے اپنی جامع مسجد میں بغیر کسی موسوم درس گاہ کے چالیس برس تک ہزار ہا اصحاب کو توحید و سنت کے فیوض سے مالا مال فرمایا۔ ان کے شاگردوں نے ملتان اور دیگر اضلاع میں استفادہ کرنے کے بعد مسلک اہل حدیث کی اشاعت میں بھرپور خدمت کرتے ہوئے بڑے بڑے علمی مراکز قائم کیے۔“

(ہفت روزہ الاعتصام، لاہور: ۵ مارچ ۱۹۷۱ء)

آپ کے بارے میں عمر کمال خان لکھتے ہیں:

”مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے قابل استاد اور اپنے مسلک کے کامل فقیہ تھے۔ انھوں نے تقریباً چالیس سال درس دیا اور لوگوں کے مسائل اپنے مسلک کے مطابق حل کیے۔“

(فقہائے ملتان، ص: ۵۳)

مولانا محمد رفیق اثری رحمۃ اللہ علیہ محدث ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات جلیلہ پر یوں روشنی ڈالتے ہیں:

”مولانا سلطان محمود کی وفات کے بعد تبلیغ و ترتیب کی ذمہ



داری مولانا عبدالحق رحمہ اللہ نے سنبھالی جو شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ کے تلامذہ میں سے تھے۔ مولانا عبدالحق ملتانی رحمہ اللہ نے ملتان شہر سے باہر بھی تبلیغی مساعی کا دائرہ بڑھایا اور وقتاً فوقتاً وعظ وارشاد کے لیے جلال پور بھی تشریف لاتے رہے۔ ۱۹۲۸ء کے مناظرہ رفع الیدین کے موقع پر بھی وہ جلال پور موجود تھے۔ انجمن اہل حدیث جلال پور کی تشکیل اور دارالحدیث کے اجراء میں بھی ان کے قیمتی مشورے شامل تھے۔ ملتان شہر میں انھوں نے والد گرامی کی وفات کے ایک سال بعد ۱۹۱۰ء میں انجمن اہل حدیث (ملتان) کو منظم کر لیا اور اس وقت سے وفات (۱۹۴۵ء) تک اس اہم تنظیم کے صدر رہے۔ ان کی صدارت کے دور میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے دو جلسے ملتان میں منعقد ہوئے۔

مولانا عبدالحق رحمہ اللہ نے وعظ وارشاد کے ساتھ ساتھ تدریس کا سلسلہ بھی حسب سابق جاری رکھا اور اہل علم کی ایک کثیر تعداد نے ان سے استفادہ کیا، ان میں مولانا فیض اللہ ملتانی اور مولانا عبدالعزیز ملتانی رحمہما بھی شامل ہیں۔ شیخ محترم (مولانا سلطان محمود جلال پوری) نے بھی اس عظیم محدث شیخ عبدالحق رحمہ اللہ سے علمی استفادہ کیا اور انھیں ان کی طرف سے اجازۃ الروایۃ بھی حاصل تھی۔ مولانا شرف الحق رحمہ اللہ اور ان کے برادر بزرگ مولانا شمس الحق رحمہ اللہ بھی محدث ملتانی رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں۔ مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کا معمول تھا کہ وہ خطبہ جمعہ سے چند گھنٹے پہلے اپنے کمرے میں چلے جاتے تھے۔ جہاں انھوں نے سلیقے سے کتب رکھی ہوئی تھیں جو کچھ جمعہ میں کہنا ہوتا وہ باتیں لکھ لیتے اور پھر علی وجہ البصیرہ خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے تھے۔“ (سوانح محدث جلال پوری، ص: ۲۹۸، ۲۹۹) آپ کے بارے قاضی محمد اسلم سیف یوں تبصرہ کرتے ہیں:

”میاں صاحب رحمہ اللہ مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کے علم و مطالعہ،

وسعت معلومات اور اصابت رائے پر بہت اعتماد رکھتے تھے۔ باہر سے جب کوئی استفتاء آتا تو وہ مولانا عبدالحق رحمہ اللہ کے سپرد کر دیتے تھے کہ اس کا جواب لکھ دو، چنانچہ مولانا عبدالحق اس کا جواب لکھ کر لے جاتے، میاں صاحب اس پر تصدیقی دستخط ثبت کر دیتے تھے۔ ”فتاویٰ نذیریہ“ میں کتنے ایسے فتاویٰ ہیں جن پر مولانا عبدالحق کا نام لکھا ہوا ہے اور میاں صاحب رحمہ اللہ کی ان پر تصدیق درج ہے۔ مولانا عبدالحق رحمہ اللہ نے دہلی سے فراغت کے بعد ملتان میں تعلیم و تدریس اور دعوت وارشاد کا کام شروع کیا۔ ملتان اور بہاول پور ڈویژن میں مولانا عبدالحق کا حلقہ اثر بہت وسیع تھا۔ مولانا بہت خوش نویس تھے۔ خطبہ جمعہ کا خلاصہ فارسی میں لکھتے اور سرانیکی میں بیان کرتے تھے۔ نماز فجر کے درس قرآن اور مغرب کے بعد درس حدیث بڑے اہتمام اور تسلسل سے جاری رکھا۔ مولانا کی مساعی سے ملتان شہر اور ملتان ڈویژن میں مسلک اہل حدیث خوب پھیلا۔

موصوف کا فتویٰ بڑا جامع ہوتا تھا۔ عبادت، ذکر، تدریس، تلاوت قرآن اور مطالعے کا تسلسل ان کی زندگی بھر کا معمول تھا۔ وہ کم گو اور پرگو تھے۔ طبعاً خاموش اور مفکر قسم کے انسان تھے۔ حسن اخلاق، حسن کردار اور حسن معاملات ان کے ماتھے کے جھومر تھے اور زندگی کے ہر شعبے پر میاں صاحب رحمہ اللہ کی چھاپ نمایاں تھی۔ وہ عابد، ذاکر، شب زندہ دار شخصیت کے مالک تھے۔ چغلی، غیبت، زبان درازی، حسد، بغض، کینہ اور تنگ ظرفی جیسے افعال شنیعہ سے بہت بالا تھے۔ ملتان کے مخادیم خاندان بھی ان کا احترام کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ انھیں غریق رحمت فرمائے۔ وہ میاں صاحب کے دبستان کے گل سرسبد تھے۔ ملتان میں ان کی علمی، دینی و مسلکی خدمات غیر فانی اور لازوال ہیں۔“

(تحریک اہل حدیث، ص: ۲۳۰، ۲۳۱)

مولانا سلطان محمود جلال پوری اپنے شیخ محدث ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کی کمال شفقت بیان فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ انیس الحق افغانی تحریر کرتے ہیں:

”اپنے دور کے علماء کبار میں شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا عبدالنواب محدث ملتانی، اپنے استاد محترم مولانا عبدالحق محدث ہاشمی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے تعلق پر ناز کرتے تھے۔ راقم الحروف (انیس الحق) کے دادا حضرت مولانا عبدالحق محدث ملتانی سے خصوصی عقیدت تھی۔ ایک مرتبہ ملتان سے کراچی کے ہوائی سفر کے دوران جب جہاز دریائے چناب کے عین اوپر پرواز کر رہا تھا اور آپ کھڑکی سے باہر کے مناظر بڑے انہماک سے دیکھ رہے تھے کہ اچانک مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ علاقہ ہے جہاں آپ کے دادا محترم مولانا عبدالحق ملتانی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک مرتبہ تشریف لائے تھے اور ساتھ ہی فرط عقیدت و محبت سے آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آواز بھرا گئی۔ کافی دیر یہ کیفیت طاری رہی، پھر خود گویا ہوئے کہ مولانا عبدالحق ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے میری دلی عقیدت مندی تھی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ بھی مجھ سے بہت شفقت فرماتے تھے۔ میری شادی کا اہتمام میرے استاد گرامی مولانا عبدالحق ہاشمی نزیل مکہ نے فرمایا تھا۔ میرا اور خود حضرت استاد گرامی کا دل چاہتا تھا کہ آپ کے دادا رحمۃ اللہ علیہ نکاح پڑھائیں۔ لیکن نکاح کی تقریب ”بستی مہمند“ میں ہونا تھی۔ اس زمانے میں وہاں تک سفر بہت مشکل تھا۔ چنی گوٹھ سٹیشن تک ریل میں اور بعد میں کافی طویل فاصلہ کیوں (تائنگے) پر طے ہوتا۔ واپسی بھی اسی روز کسی صورت ممکن نہ تھی اور اس علاقے میں مچھروں کی بہتات تھی۔ مولانا عبدالحق ملتانی انتہائی نازک مزاج تھے، اس لیے خواہش کے باوجود اس خیال سے کہ انھیں بہت زیادہ زحمت ہوگی، ہم دونوں استاد اور شاگرد خاموش رہے۔

مولانا کو غالباً جلال پور پیر والا کے احباب جماعت میں سے کسی کے ذریعے شادی کی خبر ہو گئی۔ آپ نے تاریخ اور دن خود ہی معلوم فرمایا اور شادی سے دو دن پہلے استاد گرامی مولانا عبدالحق ہاشمی کو مولانا کی طرف سے ایک پوسٹ کارڈ موصول ہوا کہ میں فلاں دن (نکاح کے لیے روانگی کے دن) فلاں گاڑی سے ملتان سے روانہ ہو کر احمد پور شرقیہ پہنچوں گا اور نکاح کے لیے اکٹھے روانہ ہوں گے، میرا انتظار کریں۔

نکاح سے ایک روز قبل جب میں احمد پور شرقیہ پہنچا تو استاد گرامی نے عجیب سرشاری کی کیفیت میں وہ پوسٹ کارڈ میرے سامنے رکھ دیا۔ کافی دیر ہم دونوں خاموش رہے پھر استاد گرامی کہنے لگے: ہم نے اس خیال سے کہ مولانا کو اتنی سخت زحمت نہ اٹھانی پڑے دعوت تک نہ بھجوائی اور ان کی محبت و شفقت کا یہ عالم ہے کہ ہمیشہ سفر کی کوفت سے بچنے کی کوشش کرنے والے مولانا نے اپنائیت کا یہ مظاہرہ فرمایا ہے۔ یہ ان کی فراست کا کیسا مظاہرہ ہے کہ ہماری طرف سے دعوت نامہ نہ بھیجنے کے حقیقی سبب کا بھی خود ہی اندازہ فرما لیا اور کسی شکوے کی بجائے ہماری عقیدت سے بڑھ کر عنایت کا مظاہرہ فرمایا۔

استاد گرامی انتہائی خوش تھے اور میں اپنی قسمت پر نازاں تھا۔ مولانا عبدالحق ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے آکر ساری زمیں بہ خوش برداشت کیس اور میرا نکاح خود پڑھایا۔“

(سوانح محدث جلال پوری، ص: ۳۸۲)

⑤..... عبدالمجید خاں ساجد مولانا کے بارے بیان فرماتے ہیں: ”اندرون شہر حرم گیٹ، کپ بازار اور حسین آگاہی بازار میں میں نے ہزاروں افراد دیکھے لیکن بلا مبالغہ مولانا عبدالحق محدث کی شخصیت سب سے انوکھی اور نرالی پائی۔ وہ پر وقار اور با رعب شخصیت کے مالک تھے۔ خدا رحمت کن دایں عاشقانِ پاک طینت را!“

کے جنازے میں نہایت کوشش سے شریک ہوئے، چنانچہ ان کے تاخیر سے آنے کی وجہ سے مولانا رحمہ اللہ کا جنازہ بھی دیر سے ادا کیا گیا۔

آہ! وہ جب تک زندہ رہے تو کسی کو جماعت اہل حدیث سے ٹکرانے کی جرأت نہیں تھی۔“

(ہفت روزہ الاعتصام، ۵ مارچ ۱۹۷۱ء)

مولانا کے جنازے کے ایک اور عینی شاہد محترم جناب عبدالمجید خاں ساجد بیان کرتے ہیں:

”جب مولانا کا انتقال ہوا تو ان کا جنازہ پل شیدی لال کے سامنے مسجد جنازہ گاہ میں پڑھایا گیا۔ پیر صدر الدین گیلانی گدی نشین دربار موسیٰ پاک شہید نے ایک بندہ بھیجا کہ پیر صاحب جنازے میں شامل ہونے کے لیے آ رہے ہیں۔ میں نے پہلی بار گیلانی صاحب کو دیکھا کہ موصوف بیساکھیوں کے سہارے اور دو مریدوں، جو دائیں بائیں بازو تھامے ہوئے تھے، کے ہمراہ جنازہ گاہ تشریف لائے اور آتے ہی کہا کہ مولانا کے چہرے کا دیدار کر لیا جائے۔ کفن کھولا گیا تو گیلانی صاحب نے رندھی ہوئی آواز میں یہ الفاظ سرائیکی زبان میں کہے: ”اللہ دابا ہنا تو حید پرست آج دنیا توں رخصت تھی گئے۔“ یعنی اللہ کا تو حید پرست بندہ آج دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ گیلانی صاحب نے مولانا کا ماتھا چوما۔“ (مسائل عید الاضحیٰ، ص: ۲۳، ۲۴)

”ملتان شہر میں یہ عظیم عالم دین تھے کہ جنہوں نے تو حید کی شمع روشن کی۔ یہ افغانی تھے مگر انہوں نے اپنے نام کے ساتھ افغانی کا لاحقہ کبھی نہ لگایا تھا بلکہ ملتانی کا لاحقہ لگاتے تھے۔

محلہ غریب آباد چوک شہیداں سے محلہ قالین بافاں کی جامع مسجد اہل حدیث تک تقریباً دو کلومیٹر کا سفر تھا جو ہم ہر جمعہ پیدل طے کرتے تھے۔ ان کے وعظ کا یہ اثر تھا کہ میں ہر جمعہ

مولانا عبدالحق ملتانی رحمہ اللہ کا سفر آخرت:

وہ ایسے علم و عمل کے پیکر، توحید و سنت کے پاسبان، مسلک اہل حدیث کے ترجمان، رمز شناس خطیب، ختم نبوت کے نقیب، حق گو داعی، عظیم عالم دین، نام و رمقی، فن تدریس کے ماہر کہ جنہوں نے نصف صدی ملتان کی علمی، ادبی اور مذہبی محافل کی آبیاری کی اور علم و ادب کے گلہائے عقیدت نکھا ور کیے۔

توحید و سنت کی تعلیمات اُجاگر کرنے والے یہ عالم ربانی، اسلاف کی نشانی محدث ملتانی رحمہ اللہ، ۱۹۴۵ء مطابق ۱۳۶۵ھ کو اس جہان فانی کو چھوڑ کر دار البقاء کی طرف کوچ کر گئے۔

آپ رحمہ اللہ کے جنازے میں علمائے کرام و فضلاء عظام اور عوام کے ایک جم غفیر نے شرکت کی۔ مولانا انیس الحق بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد گرامی مولانا شرف الحق سے سنا کہ چوک بازار کی مسجد ولی محمد کی میٹھیوں پہ کھڑے ہو کر انہوں نے عوام الناس کے مجمع کا مشاہدہ کیا کہ والد محترم مولانا عبدالحق ملتانی کے جنازے میں شریک لوگوں سے حسین آگاہی کا پورا باز اکچھا کچھ بھرا ہوا تھا۔ مولانا موصوف کے جنازے میں گدی نشین حضرات بھی شریک ہوئے اور یہ مولانا کے عالی اخلاق کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

شیخ عبدالرشید صدیقی کا بیان ہے:

”مولانا ممدوح اپنے مسلک حق اہل حدیث کے جذبے میں انتہائی سرگرم ہونے کے باوجود اپنے محاسن اخلاق میں اس قدر بلند تھے کہ ملتان کی بڑی بڑی گدیوں کے سجادہ نشین اور پیر آپ رحمہ اللہ کی علمی عظمت و رفعت کے معترف تھے، چنانچہ جب کبھی مولانا عبدالحق محدث رحمہ اللہ کا بازار سے گزر ہوتا اور مخدوم سید صدر الدین شاہ گیلانی سجادہ نشین خانقاہ موسیٰ پاک شہید آپ کو بازار آتے دیکھتے تو فوراً تانگے سے اتر کر آپ سے مصافحہ اور معافتحہ کر کے دعا کے طلب گار ہوتے اور آخر جب مولانا رحمہ اللہ کی وفات کی خبر مخدوم صاحب موصوف نے سنی تو نہ صرف آبدیدہ ہوئے بلکہ حضرت ممدوح

چلے گئے اور شرک و بدعت کا دامن چاک ہوتا چلا گیا۔“  
(مسائل عید الاضحیٰ سے ملحق مضمون، ص: ۱۹)  
مولانا عبدالحق محدث ملتانی کا جنازہ آپ کے صاحب زادہ  
گرامی مولانا شمس الحق ملتانی نے پڑھایا۔ اور آپ کی تدفین آپ کے  
والد گرامی مولانا سلطان محمود محدث ملتانی رحمہ اللہ کے پہلو میں ہوئی۔  
محدث ملتانی کے جانشین:

مولانا عبدالحق ملتانی کی عائلی زندگی کے متعلق راقم کو وسیع  
معلومات نہیں مل سکیں۔ بس اتنا معلوم ہو سکا کہ موصوف کی شادی  
قریشی خاندان میں ہوئی۔ اور رب ذوالجلال والا کرام نے آپ کو  
اولاد کی نعمت سے بھی نوازا، آپ کی پانچ بیٹیاں اور دو بیٹے تھے۔  
بیٹیوں کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔ البتہ آپ سے نسبت دامادی حاصل  
کرنے والے حضرات میں مولانا حکیم خدا بخش فارانی ملتانی، مولانا  
عبید اللہ ملتانی، حکیم لطف اللہ، نصر اللہ اور اکرام اللہ کے نام آتے ہیں۔  
آپ کے بیٹوں کے نام مولانا شمس الحق محدث ملتانی اور مولانا  
شرف الحق محمود ہیں۔ دونوں بھائی عالم دین تھے اور اپنی اپنی جگہ دونوں  
نے دین اسلام کی خدمت فرمائی۔

کو ان کا وعظ سننے کے لیے بے تاب رہتا۔ جوں جوں سن  
وسال بڑھتے گئے اور میرا شعور پختہ ہوتا گیا تو میرا ان کے  
وعظ میں اتنا ہی جذبہ بڑھتا گیا۔ مولانا موصوف جب وعظ  
کرتے تو سامعین آنکھیں تک نہ جھپکتے اور ہمدن گوش ہو کر  
ان کے وعظ سے مستفید ہوتے۔

مولانا عبدالحق ملتانی ایک چھوٹا سا پرچہ لکھا ہوا اپنے پاس  
رکھتے تھے۔ قرآن مجید کی ایک سورت تلاوت فرماتے تو پھر  
احادیث مبارکہ سے استدلال فرماتے، مختلف احادیث سے  
قرآنی آیت کے حق میں دلائل دیتے۔ سامعین کو میں نے  
کبھی سوال کرتے ہوئے نہ سنا۔ اگر وعظ میں تشنگی رہے تو پھر  
سوال کیے جاتے ہیں جب احادیث کی روشنی میں دلائل قوی  
ہوں تو سوالات کرنے کا سلسلہ جاری نہیں ہوتا۔

مولانا کا وعظ جب ختم ہوتا تو معلوم ہوتا کہ ہم رب کے حضور  
سے واپس دنیا کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ وعظ سنتے وقت  
سامعین پر سکتہ طاری رہتا اور وہ دنیاوی خیالات سے عاری  
ہو کر اللہ کے حضور خوب حاضر ہوتے۔ چنانچہ یہ ان کے وعظ  
کا اثر تھا کہ ”پیری پور، ملتان“ میں تو حیدر پرست لوگ بڑھتے

### مولانا عبدالرحمن ٹیاری انتقال فرما گئے

جمعیت اہل حدیث سندھ کے ایک عظیم رکن اور محب اہل حدیث شاہ بدیع الدین راشدی کے کتب کی اشاعت کے عاشق صادق مولانا عبدالرحمن مبین  
ٹیاری والے مورخہ ۶ جنوری ۲۰۱۳ء کو طویل علالت کے بعد وفات پا گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کا حیدر آباد سندھ کے ایک ہسپتال میں انتقال  
ہوا۔ ان کی نمازہ جنازہ شیخ الحدیث مولانا محمد سلیم نے پڑھائی۔ سینکڑوں احباب جماعت، طلباء اور علمائے کرام نے شرکت کی۔ اللہ کریم سے دعا ہے ان کی  
مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔ (افتخار احمد الازہری، جامعہ بحر العلوم السلفیہ، میرپور خاص، سندھ)

### علم دوست لوگوں کے لیے خوش خبری

مرکز اہل حدیث کسوال کی طرف سے ان اداروں کی لسٹ شائع کی گئی ہے جو کہ ملک اور بیرون ملک فی سبیل اللہ لٹریچر، پمفلٹ، بکس اور دیگر اسلامی  
مواد مفت یا معقول ڈاک خرچ کے عوض بہ ذریعہ ڈاک یا دستی تقسیم کرتے ہیں۔ ۶۶ اداروں کی لسٹ مفت حاصل کرنے کے لیے آپ اس نمبر  
0334-7483980 پر اپنا پوسٹل ایڈریس بھیج دیں، آپ کو یہ لسٹ بھیج دی جائے گی۔

نوٹ: ادارے کی طرف سے جن کو پہلے ماہوار لٹریچر بھیجا جاتا ہے ان کو یہ لسٹ بھیج دی گئی ہے وہ زحمت نہ کریں، شکریہ!  
(حافظ عزیز الرحمان سلفی، خادم ملت سلفیہ و مدرسہ تحفہ القرآن والحدیث کسوال)

## دنیا ہے تری منتظر روزِ مکافات

اور یا مقبول جان

ہو جائیں۔ لیکن سرمایہ داروں کی جھولیاں بھی پھیلتی چلی جاتی ہیں۔ جہاں مزدور کو زیادہ پیسے دینے پڑیں وہاں سے وہ کاروبار ایسے علاقوں میں منتقل کر دیتے ہیں جہاں غریب آبادی کی محنت کم سے کم پیسوں سے خریدی جاسکے۔ امریکا اور یورپ کی کون سی کمپنی ہے جس نے مشرق بعید، چین اور تائیوان میں اپنا کاروبار منتقل نہ کیا ہو اور پھر اپنے میڈیا کے ذریعے ان پر ایسا طرز زندگی مسلط نہ کیا ہو کہ وہ جو کمائیں ان سے بزرگ، پیرا، بازر، جینز، میک اپ اور دوسرا سامان کرید کر خون پسینے کی کمائی ان کو واپس کر دیں۔ سرمایہ دارانہ نظام کو سود کا گھن چکر چلاتا ہے۔ قرض، اقساط پر سامان قیث اور کریڈٹ کا رڈ وغیرہ کے ذریعے عام آدمی کو بھٹے کا وہ مزدور بنادیا جاتا ہے جس سے غلامانہ جکڑ بند یوں سے نسل در نسل بھٹے پر ہی کام کروایا جاتا ہے۔ جس طرح بھٹہ مالک کا ایڈوانس ختم نہیں ہوتا، اسی طرح اس سرمایہ دارانہ سودی نظام میں قرض کی فسطیں ختم نہیں ہوتیں۔

سرمایہ دارانہ سودی نظام اپنے تحفظ کے لیے خوب صورت جال بنتا ہے۔ یہ جال اس قدر حسین ہے کہ ہر ملک کے عوام اس میں پھنستے چلے جاتے ہیں۔ پوری دنیا میں اس نظام کی بقا کی جنگ لڑی جا رہی ہے۔ جو نہیں مانتا وہ واجب القتل ہے۔ افغانستان اور عراق اس نظام کے دائرے میں نہیں آتے تھے، دونوں پر حملہ کیا گیا۔ ایک ملک میں چندہ لاکھ انسانوں کو قتل کیا گیا، ایک آئین بنایا گیا، اپنی نگرانی میں الیکشن کروائے گئے۔ اور دوسرے ملک میں یہی کچھ دس لاکھ لوگوں کو قتل کر کے کیا گیا اور بتایا گیا کہ جاہلو! زندگی ایسے گزاری جاتی ہے۔ نہیں گزارو گے تو پھر حملہ کر کے تم کو سیدھے راستے پر لائیں گے۔

وہ ملک جنہیں ترقی یافتہ ملک کہا جاتا ہے، وہاں بھی اس نظام پر دو اداروں کی آمریت ہے: ایک کارپوریٹ سرمایہ دار کا پیسہ اور دوسرا اُس کے زور پر چلنے والا میڈیا۔ امریکا، برطانیہ، فرانس، جرمنی یا کسی

سرمایہ دارانہ سودی نظام اور جمہوریت دو ایسے عفریت ہیں جن کے چہرے خوب صورت، جاذبِ نظر اور سحر انگیز ہیں لیکن ان کا باطن خون آشام، مکروہ اور ظلم و بربریت سے آلودہ ہے۔ ان دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے، ایک دوسرے کی مدد کے بغیر چل نہیں سکتے۔ ان دونوں بھیڑیوں کو بھیڑیوں کے سامنے نرم خو اور ہمدرد ثابت کرنے کے لیے ان کے پیسے پر چلنے والا میڈیا انھیں اس ڈر کیولا کی طرح پیش کرتا ہے جو حسین و جمیل اور خوب صورت ملبوس زیب تن کیے ہوئے ہے۔ عوام اس کے حسن پر رتجھ کر اُس کے جال میں پھنستے ہیں تو اس کے خون چوسنے والے دانت اپنا کمال دکھانا شروع کر دیتے ہیں۔ ان بھیڑیوں نے میڈیا کو دو لفظ سکھائے ہیں: معاشی معاملات میں سرمایہ دارانہ نظام ایک تصور دیتا ہے جسے ٹرکل ڈاؤن (Trickle Down) کہتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ سرمایہ داروں کی جھولیاں بھر جاتی ہے تو خود بہ خود ان کی جھولیوں سے دولت اُبل اُبل کر باہر گرتی ہے جس سے عوام کو فائدہ پہنچتا ہے۔ جمہوریت کے بارے میں Weeding کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ گھاس میں جڑی بوٹیاں شامل ہوں تو مالی انھیں تلف کرتا رہتا ہے اور کئی برسوں کی محنت سے گھاس کا میدان صاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بار بار الیکشن کروانے سے بہترین نمائندے سامنے آ جاتے ہیں۔

یہ دونوں تصورات رات دن دانش وروں کی گفتگو، تحریر، سیاسی راہنماؤں کے بیانات اور معاشی پنڈتوں کی تجزیہ کاری کے ذریعے عوام کے ذہنوں میں ٹھونسنے جاتے ہیں۔ جہاں تک ٹرکل ڈاؤن کا تعلق ہے، اس کا یہ عالم ہے کہ اس وقت دنیا میں ساڑھے چار سو کے قریب افراد ایسے ہیں جن کی دولت اگر تقسیم کر دی جائے تو دنیا سے قحط، بیماری، غربت اور بے روزگاری کا خاتمہ ہو جائے گا اور ہر شہری کو سہولتیں دستیاب



قرضہ ہے۔ یہ سارا گورکھ دھندا ہے۔ یہ نظام معاشی ماہرین، سیاسی علماء اور سماجی دانش وروں کی محنت سے بنایا جاتا ہے اور پھر اس کا تحفظ کیا جاتا ہے۔ یہ پورے کا پورا نظام صرف ایک چیز سے خوفزدہ ہوتا ہے، اسی سے کانپتا ہے اور وہ ہے عوام کا غیظ و غضب میں بھرا ہوا ہجوم۔ اگر کسی ملک کے کثیر تعداد میں عوام ایک جگہ جمع ہو جائیں اور اس نظام کو بدلنے کا نعرہ بلند کریں تو ملک، جمہوریت اور امن کو خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ سب ان کو امن، استحکام اور ملک کے لیے خطرہ سمجھتے ہیں۔ لیکن شاید اب مشرق و مغرب میں ہوا کچھ اور ہے۔ آنکھ رکھنے والے اور بصیرت کے حامل جانتے ہیں کہ اب بہت ہو چکا۔ اس سرمایہ دارانہ سودی نظام اور اُس کی پروردہ جمہوریت کے خاتمے کا وقت ہے۔ اللہ نے ان سب لوگوں کو خبردار کیا ہے جو سود کے نظام کے ساتھ ہیں کہ اگر تم اسے نہیں چھوڑتے تو پھر اللہ اُس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو جائے۔ یہ اس مالک کائنات پر منحصر ہے کہ اُس کا فیصلہ کب اور کس وقت آتا ہے۔ لیکن آثار بتاتے ہیں کہ موت ان سب کے تعاقب میں ہے۔ قضا و قدر کے پرندے ابابلیوں کی صورت منڈلا رہے ہیں۔ بس ذرا کنکریاں گرانے کے حکم کی دیر ہے، سب کچھ کھائے ہوئے بھس کی مانند ہو جائے گا۔ (بہ شکر یہ، روزنامہ ”دنیا“، پیر ۷ جنوری ۲۰۱۳ء)

### قاری محمد سعید راشدی کی وفات

المدرسہ العالیہ تجوید القرآن جامع مسجد لسوڑے والی کے مایہ ناز استاد، قاری محمد سعید راشدی یکم جنوری ۲۰۱۳ء بروز منگل داغ مفارقت دے گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قاری صاحب عرصہ بائیس سال سے اپنی مادر علمی کے ساتھ منسلک تھے۔ خدمت قرآن میں محبت اخلاص کے ساتھ پیش پیش تھے۔ منسار، کریمانہ اخلاق اور پارسا زندگی کے حامل تھے۔ اللہ درجات بلند فرمائے اور علین میں جگہ دے اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔ نماز جنازہ آبائی گاؤں رتی رتی ضلع فیصل آباد میں ادا کی گئی۔ نماز جنازہ استاد العلماء بقیۃ السلف مولانا عتیق اللہ السلفی نے پڑھائی۔ علماء و طلباء نے شرکت کی۔ (المدرسہ العالیہ تجوید القرآن، اندرون شیراں والا گیٹ، لاہور۔ فون: 0321-4862936)

اور ملک میں کوئی شخص کارپوریٹ کے سرمائے اور میڈیا کی مدد کے بغیر الیکشن جیتنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان ملکوں میں اقتدار پر چٹلیوں کا قرض ہوتا ہے جس کی ڈوریاں ان سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہوتی ہیں جو اربوں ڈالر، پاؤنڈ یا یورو پارٹی فنڈ میں دیتے ہیں اور کثیر سرمائے سے ان چٹلیوں کی مہم میڈیا پر چلاتے ہیں۔ پہلے اعلیٰ خاندانوں کے افراد اس ڈرامے کے کردار ہو کر اسمبلیوں میں جاتے تھے لیکن پھر عوام کو بے وقوف بنانے کے لیے عام آدمی کو آگے لایا جانے لگا۔ یہ عام آدمی ان تمام سرمایہ دارانہ سودی گماشتوں کے سامنے زیادہ بے بس ہوتے ہیں۔ آج تک کسی بڑے جمہوری ملک میں گزشتہ سو سالوں میں چہرے تو بدلتے رہے لیکن ان کی پالیسیوں میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ مزدوروں کا نام لینے والے کمیونسٹوں کے خلاف نہیں، غریب ملکوں میں فوجیں بھیج کر جنگیں کیں جن میں ویت نام، فلپائن اور جنوبی امریکا کے ملک شامل تھے۔ وہاں فوجیں بھیجنے والے حکمران عام موچی اور لوہار کے بیٹے تھے جو صدارت تک پہنچے لیکن اسی سرمایہ دارانہ سودی نظام کا تحفظ کرتے رہے اور ان کے اشاروں پر ناپچتے رہے۔ بڑے بڑے سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور سرداروں کی جگہ ان عام آدمیوں کی اقتدار میں آمد کو Weeding کہتے ہیں، یعنی آہستہ آہستہ اقتدار عوام کو منتقل ہو جاتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ اقتدار وہیں رہتا ہے اور سٹیج کے اداکار تبدیل ہو جاتے ہیں۔ غریب اور پس ماندہ ممالک میں تو سٹیج کے اداکار بدلنے میں بھی صدیاں لگ جاتی ہیں۔ جمہوریت کا یہ بیج اس ملک میں انگریز نے بویا لیکن اس سے پہلے اس نے نوازشات، زمینوں کی الاٹمنٹ اور مراعات کے ذریعے کئی سو ایسے خاندان پیدا کر دیے کہ سو سال گزرنے کے باوجود جمہوریت ان کے پاس یہ غمال ہے۔

ان دونوں عفریتوں کی تین علامتیں ہیں: ایک آئین؛ انسانوں کا لکھا ہوا ایک مسودہ جس کی خلاف ورزی غداری ہے اور اس کی سزا موت ہے۔ دوسری علامت کاغذ کے نوٹ ہیں جن کے اتار چڑھاؤ سے لوگوں کی قسمت سے کھیلا جاتا ہے۔ اور تیسری علامت حکومت کا

## حدیث سرورِ عالم ﷺ

نویدِ روح پرور ہے حدیثِ سرورِ عالم  
قرارِ قلبِ مضطر ہے حدیثِ سرورِ عالم  
سکون ملتا ہے اس سے تشنہ کمانِ محبت کو  
کلامِ میرِ کوثر ہے حدیثِ سرورِ عالم  
حقیقت ہے پئے اہلِ بصیرت اے مسلمانو!  
اک اعجازِ پیمر ہے حدیثِ سرورِ عالم  
نہ آئے گا نظر یہ ملحدِ خفاش کو ہرگز  
اگرچہ مہرِ خاور ہے حدیثِ سرورِ عالم  
کرے آخر کہاں تک وسعتیں خامہ بیاں اس کی  
کہ حکمت کا سمندر ہے حدیثِ سرورِ عالم  
ادھر آ لوٹ کر اے رہو بیگانہ منزل!  
رہ ایمان میں رہبر ہے حدیثِ سرورِ عالم  
بتا دو تم یہ راسخِ منکرِ شانِ نبوت کو  
کہ دیں کا جزو اکبر ہے حدیثِ سرورِ عالم

(راسخِ عرفانی)